

النوار النوری

تذکرہ

امام المفسرین، خاتمة المحدثین فی الہند، آیت من آیات اللہ
حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

از

حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ
(تلمیذ حضرت اقدس)

مقدمہ

شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زر ولی خان
دامت برکاتہم

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت
جامعہ عربیہ احسن العلوم
بلاک ۲، گلشن اقبال، کراچی

النوار النوری

تذکرہ

امام المفسرین، خاتمة المحدثین فی الہند، آیۃ من آیات اللہ
حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

از

حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ
(تلمیذ حضرت اقدس)

مقدمہ

شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زر ولی خان
دامت برکاتہم

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ عربیہ احسن العلوم

بلاک ۲، گلشن اقبال، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الانساب

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت اقدس امام العصر مولانا انور شاہ صاحب کی سوانح پر یہ دوسری کتاب ”انوار انوری“ معصہ شہود پر آرہی ہے اس سے قبل محترم عبدالرحمن کند و مقبوضہ کشمیری کی کتاب ”الانوار“ جو تھکڑس انور کے نام سے ہمارے ہاں سے شائع ہو چکی ہے حق تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جامعہ عربیہ احسن العلوم میں تقریباً ۱۸ سال سے بخاری و ترمذی کے اسباق پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی شاہ صاحبؒ ہی کی برکت ہے کہ باذوق طلباء کی ایک کثیر تعداد متوجہ ہے۔ فی الحال ۳۰۰ طلباء دورہ حدیث میں مشغول درس ہیں۔ ”انوار انوری“ جو حضرت شاہ صاحب کے قابل اور وفادار شاگرد حضرت مولانا محمد انوری لاکھپوری کی شاہکار تصنیف ہے ان کے فرزند ارجمند کے توسط سے مجھ تک پہنچی میں نے اس نعمت کا اپنی بساط کے مطابق شکر بجالانے کی کوشش کی اور ”انوار انوری“ کافی حد تک مناسب کاغذ اور طباعت کے ساتھ معصہ شہود پر آرہی ہے خداوند تعالیٰ ہی کا شکر و احسان ہے کہ ہمارے بزرگ دوست حاجی عمر فاروق جو احسن العلوم کے انتظام و انصرام میں ایک وفادار عقیدت بردار کی طرح اپنے خزانوں کے ساتھ پیش پیش ہیں، انہی کے اخلاص کی برکت ہے کہ جامعہ عربیہ احسن العلوم کی ایک مقتدر شاخ سیرگاہ روڈ ماڑی پور کی تعمیر و تعلیمات کا سلسلہ رواں دواں ہے برادر عمر فاروق کے نونہال صاحبزادے حافظ احمد عمر اور حافظ حسن عمر سلمیٰ اللہ کی معصومانہ دلوں اور جذبہ و ایثار کے ثمر بار نتیجے کے طور پر ”انوار

نام کتاب: انوار انوری
تالیف: حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ
موضوع: احوال و واقعات، تذکرۃ امام المفسرین، خاتمۃ المحدثین فی الہند، آیۃ من آیات اللہ
حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
طابع: سید محمد حسن طارق
سنہ طباعت: ربیع الثانی، ۱۴۲۵ھ
تعداد: ۱۰۰۰

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت
جامعہ عربیہ احسن العلوم
بلاک ۲، گلشن اقبال، کراچی
فون: ۳۹۶۸۳۵۶، ۳۸۱۸۲۱۰

انوریؒ تیار ہو کر علم دین کے قدر دانوں کو پہنچائی جا رہی ہے۔ حق تعالیٰ یہ کاوشیں قبول فرمائے اور حضرت اقدس امام العصر مولانا انور شاہ صاحبؒ کے رفع درجات اور کتاب میں مذکور جملہ اہل حق کے ایصال ثواب اور ہم تک کتاب پہنچانے والوں کے درجات عالیات اور خود ہمارے لئے سرمایہ ہدایت دنیا اور ذخیرہ مغفرت و نجات و دخول جنت الفردوس بنائے۔ حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر دے برادر م پر وفیر منزل حسن صاحب کو جو حضرت اقدس شاہ صاحب کے عقیدت و احترام میں ایک مثالی مقام رکھتے ہیں کتاب کی تحریر و تصحیح میں شب و روز نہایت جانفشانی کے ساتھ مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ اس انسانی اور ایمانی جدوجہد کو خصوصی قبولیت سے شرف پزیرائی عطا فرمائے۔

وما ذلک علی اللہ یعزیز

والسلام

الاحقر والافتقر

محمد زرولی خان عفا اللہ عنہ

خادم جامعہ عربیہ احسن العلوم

وخادم الحدیث والتفسیر والافتاء بہا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست انوار انوری

- (۱) مقدمہ..... شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب مدظلہ العالی بانی ورئیس الجامعۃ العربیہ احسن العلوم..... ۱۳۴۳
- (۲) وجہ تالیف..... ۳
- (۳) امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کا شجرہ نسب..... ۴
- (۴) اکابر علماء کے آراء و گرامی بابت امام العصر مولانا انور شاہ صاحب..... ۶، ۵
- (۵) بہاولپور میں حضرت شاہ صاحب کی تشریف آوری اور پر شوکت مجلس..... ۷
- (۶) حضرت شیخ الہندؒ کی مجلس کا عجب رنگ..... ۸
- (۷) حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کا تذکرہ..... ۱۰، ۹
- (۸) مولانا محمد انوری کے نام مولانا انور شاہ صاحب کا خط..... ۱۱
- (۹) حضرت شاہ صاحب کا فارسی کلام..... ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳
- (۱۰) مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی کتاب روض الریاضین کا تذکرہ..... ۱۷
- (۱۱) حضرت مفتی صاحب کا حضرت شاہ صاحب کے بارے میں مدحیہ کلام..... ۱۹، ۱۸، ۱۷
- (۱۲) مدرسہ امینیہ دہلی کا ابتدائی حال..... ۱۹
- (۱۳) حضرت شاہ صاحب کی طریقت و ارشاد..... ۲۰
- (۱۴) حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث مدینہ منورہ میں..... ۲۱

- (۱۵) حضرت شاہ صاحب کا دارالعلوم دیوبند میں استاذ کی حیثیت سے تقرر ۲۱
- (۱۶) حضرت شاہ صاحب کی سند بابت علامہ آلوسی مفتی ۲۱
- (۱۷) حضرت شاہ صاحب کا جمیۃ علماء ہند کے اجلاس پشاور میں صدارتی خطبہ .. ۲۲
- (۱۸) علامہ جامی کا قصیدہ ۲۳
- (۱۹) بخاری کی ایک حدیث کا حوالہ ۲۵
- (۲۰) فریضہ تبلیغ، توحید و رسالت ۲۶
- (۲۱) نصاریٰ کے ہاں تبلیغ نہیں ہے ۲۷
- (۲۲) انا جیل حضرت یحییٰ کے بہت بعد کی تالیف ہیں ۲۸
- (۲۳) رُوح اور مادہ کا عجب تذکرہ ۲۹
- (۲۴) اشیاء عالم اور مسئلہ ممکنات ۳۰
- (۲۵) قدیم بالذات کا تذکرہ ۳۱
- (۲۶) فاعل اور چار چیزیں ۳۲
- (۲۷) زمان و مکان کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کے اشعار ۳۳
- (۲۸) کائنات کی کتاب ایک ورق ہے ۳۴
- (۲۹) کون و مکان پر حضرت شاہ صاحب کے اشعار ۳۵
- (۳۰) خدمت دین کا فریضہ علماء حق کا منصب ہے ۳۶
- (۳۱) تبلیغ اسلام کے زہین اصول ۳۷

- (۳۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مدینہ کے درمیان معاہدہ ۳۸
- (۳۳) قتلِ مسلم کی سزا اور دارالاسلام اور غیر دارالاسلام کا فرق ۳۹
- (۳۴) حضرت شاہ صاحب کا حافظہ ضرب القتل تھا ۴۰
- (۳۵) صاحبِ نبراس حضرت شاہ صاحب سے استفادہ فرماتے تھے ۴۱
- (۳۶) حضرت شاہ صاحب نے ۳۲ سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا صفحہ اور سطر کی قید کے ساتھ بہاولپور کی عدالت میں قادیانی وکیل کی تلمیذ پکڑتے ہوئے حوالہ پیش کیا (اس کتاب کا نام فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت لمولانا بحر العلوم ہے) ۴۲
- (۳۷) قادیانیوں نے عربی میں مناظرے کا چیلنج کیا حضرت شاہ صاحب مناظرے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا مناظرہ بالفعل شعر میں ہوگا جس کے بعد قادیانی کی ہانڈی چور ہے پر پھوٹی ۴۳
- (۳۸) حضرت شاہ صاحب کا ریل گاڑی کا ایک سفر ۴۴
- (۳۹) حضرت شاہ صاحب کا چار سال کی عمر میں ایک مناظرے کا ذکر کرنا ۴۵
- (۴۰) حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا تشریف فرما ہونا ۴۶
- (۴۱) حضرت شیخ الہند کی خدمت میں ایک مسئلہ کا سنانا ۴۷
- (۴۲) کشمیر تشریف لیجاتے ہوئے ایک پادری سے گفتگو ۴۸

- (۴۳) مولانا عبید اللہ سندھی کا حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کا اعتراف ۴۹
- (۴۴) بلاد عرب کے انور شاہ شیخ زابد الکوثرؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کے معترف تھے ۵۰
- (۴۵) حضرت شاہ صاحبؒ کے علالت بوا میر وغیرہ ۵۱
- (۴۶) سید سلیمان ندویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کا تذکرہ فرمایا ہے ۵۲، ۵۱
- (۴۷) حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ زکریا تشرنی ۵۳
- (۴۸) حدیث القاتل والمقتول فی النار اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریح ۵۵
- (۴۹) مقدمہ بہاولپور کے احوال ۵۷
- (۵۰) عذاب قبر کا منکر کافر ہے ۵۸
- (۵۱) مسئلہ کذاب کے دو قاصدوں کا تذکرہ ۵۹
- (۵۲) دین اسلام متواتر ہے اس کا مطلب ۶۰
- (۵۳) حضرت عیسیٰؑ کا نزول احادیث متواترہ سے ثابت ہے ۶۱
- (۵۴) تواتر کی چار قسمیں ہیں ۶۲، ۶۳
- (۵۵) مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب اربعین میں انبیاء کی توحید کی ہے ... ۶۴
- (۵۶) ضروریات دین کا منکر کافر ہے ۶۴
- (۵۷) جامع النصولین ابن حزمؒ کی کتاب الفصل قاضی عیاضؒ کی شرح شفاء اور حافظ ابن تیمیہؒ کی کتاب الصارم المسلول کے حوالے ۶۵

- (۵۸) قبر میں خاتم النبیین کے بارے میں سوال ہوگا، تاریخ ابن عساکر کا حوالہ .. ۶۶
- (۵۹) امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج کا تذکرہ ۶۶
- (۶۰) تکفیر روافض میں اختلاف ہے، راجح تکفیر ہے ۶۸
- (۶۱) معتزلہ کا رد ۶۹
- (۶۲) کفار کے اعمال بھی دنیا میں مفید ہو سکتے ہیں ۷۰
- (۶۳) "فصل الخطاب" کا تذکرہ اور جواب ۷۲
- (۶۴) مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر خیر ۷۴
- (۶۵) صفی بن قدامہ مطبوع اور مخطوط میں فرق ہے ۷۵
- (۶۶) فلپائن کے شیخ الاسلام کا حضرت سے متاثر ہونا بلکہ گرویدہ ہونا ۷۷
- (۶۷) فصاحت و بلاغت کے نمونے ۷۹
- (۶۸) ابن سینا اور مسئلہ روح ۸۰
- (۶۹) حضرت شاہ صاحبؒ کا درس ظرافتیں ۸۳
- (۷۰) ابن جریر طبریؒ کا تذکرہ ۸۳
- (۷۱) حدیث "انما الاعمال" کی عجیب و غریب تشریح ۸۵، ۸۳
- (۷۲) عاشورہ کی تاریخ کی تحقیق ۸۷، ۸۶
- (۷۳) عالم کی بقاء یا الہی پر منحصر ہے ۹۸
- (۷۴) ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق ۱۰۱

(۷۵) اعمال فی القبور کا تذکرہ..... ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۷

(۷۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پختگی کی عملی شکل..... ۱۰۸

(۷۷) بندوق کا شکار..... ۱۱۱

(۷۸) علم الفرائض پر ایک طویل نظم..... ۱۱۲، ۱۱۱

(۷۹) حضرت شاہ صاحب کا تخر علمی..... ۱۱۳

(۸۰) خلاف شرح تعظیم پر گرفت..... ۱۱۷

(۸۱) قرأت خلف الامام منع ہے..... ۱۲۳

(۸۲) توسل تولی وفعلی..... ۱۲۴

(۸۳) اعجاز قرآنی..... ۱۲۷

(۸۴) ابتدائی دور کا حال..... ۱۲۸

(۸۵) مولانا ظہیر الدین نیوٹی اور تقوی کا معانی، شاہ صاحب اور دیگر بزرگوں کے

تعلقات..... ۱۳۰

(۸۶) حضرت مولانا حسین علی صاحب نے حضرت شاہ صاحب کو

دعوت محاکمہ دی..... ۱۳۱

(۸۷) قرآن کریم میں تنبیخ آیات..... ۱۳۴

(۸۸) حضرت شاہ صاحب کی فارسی میں پیش بہانظم..... ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹

(۸۹) بقی کی کتاب "نظم اندرز" کا تذکرہ..... ۱۵۲

(۹۰) مولوی محمد علی لاہوری قادیانی کی تفسیر وجل والجاد کی ہے..... ۱۵۳

(۹۱) حضرت شیخ الہند کی وفات پر مجمع العلماء اور حضرت شاہ صاحب کی تقریر اور

دوقصیدے..... ۱۵۶، ۱۵۵

(۹۲) مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کا تذکرہ..... ۱۵۷

(۹۳) حضرت شاہ صاحب نے لاہور میں تقریر اور دُعا فرمائی..... ۱۶۳

(۹۴) "مبسوط" کا تذکرہ..... ۱۶۶

(۹۵) بہاولپور کے مقدمہ کا کچھ حال..... ۱۶۸

(۹۶) عید مسلم اور علامہ جوہر طوطاوی کا تذکرہ..... ۱۷۰

(۹۷) مسئلہ استواء علی العرش..... ۱۷۳

(۹۸) ایک حدیث میں نکتہ..... ۱۷۴

(۹۹) یوم سبت کی تحقیق..... ۱۷۵

(۱۰۰) انتخاب جمعہ کی حدیث مع توجیہات..... ۱۷۷

(۱۰۱) بنی اسرائیل کی عید یوم عاشورہ..... ۱۸۰

(۱۰۲) عاشورہ کی مزید تحقیق..... ۱۸۱

(۱۰۳) عید رمضان..... ۱۸۲

(۱۰۴) اتنا مقرر آن عزیز..... ۱۸۴

(۱۰۵) سنت نبوی ﷺ اور سنت خلفاء راشدین کا فرق..... ۱۸۸



الحمد لله رب العلمين و صلى الله وسلم على رسوله الكريم و نبيه
الامين، و على اله و اصحابه افضل الخلائق بعد النبيين، و من بهديهم
اقتدى و بآثارهم اقتفى، من المفسرين و المحدثين و فقهاء الدين، آمين
يا رب العالمين. اما بعد!

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ”انما یخشى الله من عباده العلماء“، اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ترین حدیث جو بخاری اور مسلم میں موجود ہے بحوالہ
حضرت نعمان ابن بشیرؓ العلماء و دثۃ الانبیاء - چنانچہ حق تعالیٰ نے اس امت کے
اوائل و اواخر میں بلکہ ہر دور اور زمانہ میں ایسی گراں قدر ہستیاں پیدا فرمائیں جو ایک
طرف خشیت و تقویٰ کے پیکر مجسم تھے تو دوسری طرف علوم و کمالات میں انبیاء کے بعد
سب سے بڑا اور آفاقی طبقہ امت کے لئے خیر و رشد کے نفع رسانی کے لئے رہا ہے،
حضرات صحابہؓ تو اولئک ہم المومنین حقاً کے مصداق اول تھے ہی جن میں
قرآن و سنت پر ایمان رکھنے والا ادنیٰ تردد بھی نہیں کر سکتا بلکہ ان کے بعد بخاری کی اصح
ترین حدیث جو ”کتاب العلم“ میں موجود ہے ”مثل ما بعثنی اللہ کمثل
الغیث الكثير“ (الحديث) بخاری ج ۱، صفحہ ۱۸۔ اس کے ایک حصہ میں

(۱۰۶) صحابہ کرام اس امت کے سب سے قابل لوگ تھے ۱۹۰
(۱۰۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی ایک تحقیق

۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴

(۱۰۸) مقدمہ بہاولپور سے واپسی کا حال ۲۰۰
(۱۰۹) مولوی اسحاق خطیب ایٹ آباد کا تذکرہ ۲۰۳
(۱۱۰) ڈاکٹر اقبال کا تذکرہ ۲۰۴
(۱۱۱) حضرت شاہ صاحبؒ کی بہاولپور تشریف آوری اور علماء کا اجتماع ... ۲۰۸، ۲۰۷
(۱۱۲) حافظ عراقی کے اشعار ۲۰۹
(۱۱۳) اہل جہ سے خط و کتابت کا تذکرہ ۲۲۰، ۲۱۲
(۱۱۴) احادیث و آیات کے بعض تطبیقات ۲۷۵، ۲۷۷
(۱۱۵) حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک شعر اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کا
خوش و خرم ہونا ۲۹۲



بفتحوا اے حدیث حضرات محدثین نے فقہاء اور مجتہدین اور اسی طرح حضرات محدثین کا استخراج بھی کیا ہے، اس کی تائید میں نصوص قطعیہ یقینیہ موجود ہیں۔ چنانچہ قرون اولیٰ میں الامام الاعظم امام ابوحنیفہؒ جن کو تابعی یا تبع تابعی کا شرف حاصل رہا ہے اور ”راس الاجتهاد والفقہ“ تسلیم کئے گئے ہیں، ملاحظہ ہو ”فصل الختام فی مسئلة الفاتحة خلف الامام“، لمولانا وشيخنا محمد يوسف البنوري۔ اسی طرح ائمہ حدیث میں حضرت امام بخاریؒ اور ان سے پہلے اور ان کے بعد بے شمار محدثین کرام ہوئے ہیں جن پر امت محمدیہ کو فخر حاصل ہے۔

ہندوستان کے دور آخر میں امام العصر، محدث کبیر، فقیہ علی الاطلاق حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ بھی ان نامور ہستیوں میں سے ہیں جن پر اسلام اور الہامیان اسلام دیر تک شکر و فخر کریں گے، آپ کی علمی عظمت، وسعت اطلاع، مدارک مجتہدین کی شناسائی اور اسلامی علوم کے طول و عرض کے وادی سرسبز اور اس سلسلے کے علل اور حکم و اسرار سے جو مہو بہ ملکات آپ کو حاصل تھے ان کا اعتراف خود آپ کے دور کے محدثین مفسرین فقہاء کرام، جن میں آپ کے اساتذہ اور مشائخ بھی شامل ہیں، کر چکے ہیں۔ بلاد عرب کے انور شاہ شیخ محمد زاہد الکوثریؒ جیسے نابغہ روزگار اور عبقری محدث و فقیہ نے آپ کی صلاحیتوں کو اپنی تصانیف میں جا بجا سراہا ہے، ملاحظہ ہو ”مقالات



الکوثریؒ۔ سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے سابق شیخ الاسلام شیخ مصطفیٰ صبری نے اپنی کتاب ”موقف العقل و العلم والعلماء من رب العلمین“ کی چاروں جلدوں میں آپ کا ذکر المحدث الکبیر فی الہند کے عنوان سے کیا ہے۔ انہی کے ہم عصر مشہور اور نظر افقہ شیخ نخیتؒ وغیرہ نے آپ کو اپنے زمانے کا امام اور اسلامی علوم پر دستاویز کے درجہ میں تسلیم کیا ہے۔ الازہر کے ایڈیٹر شیخ رشید علی رضا مصریؒ نے مجلہ ”النار“ میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ بعض علوم میں سلف سے متقدم ہیں یعنی ان پر فوقیت رکھتے ہیں (جب کہ ان کی اس بات کا حضرت شاہ صاحب نے ان کی موجودگی میں دارالعلوم دیوبند کے حلقہ میں رد فرمایا تھا اور یہ حضرت کا کمال تواضع اور کمال اعتدال فی الرجال تھا)۔ ان حقائق کے جاننے کے لئے امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے علوم کے امین، ہمارے استاذ اور شیخ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے نفحة العنبر جیسی عظیم کتابوں میں آشکار فرمایا ہے۔ حضرت کی یہ کتاب ”نفحة“ اپنے استاذ شاہ انور شاہ صاحب کے حالات پر انسائیکلو پیڈیا تو ہے ہی مگر عربی ادب کے اعتبار سے بھی ابوالعباس مبرد کی الکامل اور الجاحظ کی تبیین اور جار اللہ مختصری کی اساس البلاغة اور ابن شہاب نویریؒ کی نہایۃ العرب کے پائے کی کتاب بن چکی ہے، چنانچہ ایک عرب نے ”نفحة العنبر“ دیکھ کر حضرت

محمد زروئی خان

[illegible]

MUHAMMAD ZAR VALI KHAN

[illegible]

محمد رفیع خاں

المادة ١٠: (١) لا يجوز للمحكمة أن تصدر حكمًا بغير طلب من النيابة العامة أو من المدعي العادي.



MUHAMMAD ZAR VALI KHAN

WHADEM AL JAMRA TEL: 46826 46826
 WUJOM WUJOM AL HADITH WAL FAJRIH
 WAL FTA. ALJAMRA TEL: 46826 46826
 WUJOM FASHIMH WAL BLOK 3 WUJOM
 PAKISTAN TEL: 46826 46826

بہر حال نفحة العنبر کے بعد بھی حضرت شاہ صاحبؒ پر بے شمار مقالے لکھے گئے اور مختلف ملکوں کے قدر شناسوں نے آپؒ پر گراں قدر تحقیقات کر کے ڈاکٹریٹ کے درجات حاصل کئے۔ بلاذیر عرب کے آخری محقق اور اہل سنت کے ترجمان جنہیں حق تعالیٰ نے عرب و عجم میں یکساں قبولیت عطا فرمائی تھی۔ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے تقریباً اپنی اکثر تصانیف میں تعلیقات و تحقیقات میں بالخصوص ”التصريح في ما تواتر من الاحاديث في نزول المسيح“ کے مقدمہ اور تعلیق میں گویا حضرت شاہ صاحبؒ پر سیر حاصل کلام فرمایا ہے اور یہ شعر لکھا ہے،

بحر العلوم فما بحر يشاكله

لَوْ نَقَبُوا الْأَرْضَ لَمْ يَجِدْ لَهُ شَيْءٌ

مقبوضہ کشمیر میں حضرت شاہ صاحب کے قرب و جوار کے ایک قدردان عبدالرحمن گنبد و صاحب نے ”الانور“ لکھی جو کافی حد تک اردو میں لکھی جانے والی حضرت شاہ صاحب کی سوانح میں سب سے جامع ہے۔ ہمارے بزرگ و محسن محمد میاں کاندھلوی صدیقی دامت برکاتہم کے توسط سے ایک نسخہ اس عاجز کو پہنچا جسے نئے سرے سے اپنے مختصر مقدمہ کے ساتھ ”تقدس انور“ کے نام سے شائع کیا جو احسن العلوم کی جلیل القدر خدمات میں سے ان شاء اللہ تعالیٰ سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ حضرت کے

بنوریؒ کو لکھا: قرات کتابک النفعۃ ففسجدت لیبانک، میں نے آپ کی نفعۃ العنبر دیکھی اور اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے احترام کا سر جھکایا۔ خود حضرت بنوری مرحوم سے میں نے سنا تھا کہ نفعۃ العنبر لکھنے سے میری عربیت کو بہت فائدہ ہوا اور اس کے بعد مجھے مزید عربی تحریر یا تقریر میں کبھی گرائی پیش نہیں آئی۔ یہی وجہ تھی کہ مصر کے شیخ الازہر دکتور عبدالحلیم محمودؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا کہ حضرت محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی آپ بہترین شاعر بھی ہیں اور زبردست ناشر بھی، آپ کبھی اندازے اور تخمینے سے بات نہیں کرتے، آپ کی ہر بات تحقیق اور بُرہان کی اساس پر قائم ہوتی ہے، دیکھئے خصوصی نمبر حضرت بنوریؒ پر۔ غالباً ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کے مقالے پر شیخ الازہر کا اظہار رائے موجود ہے، اور حضرت بنوری مرحوم فرماتے تھے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ بدر الدین عینیؒ شارحان بخاری کے بعد دکتور عبدالحلیم محمودؒ دوسرا محقق عالم پیدا ہوا ہے جو سلف صالحین کے منج پر قائم ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے، ۔

قدر زر زرگر شناسد قدر جوهر جوهری

قدر گل بلبل شناسد قدر دلد را علی

اور فارسیان نے کہا ہے: ولی را ولی می شناسد۔

صاحبزادے از ہر شاہ قیصر نے بھی حیات انور لکھی تھی جو علماء کے ہاں پسندیدہ کتاب سمجھی گئی ہے۔ نیز حضرت شاہ صاحب کے فرزند اصغر اور علوم و فنون کے جبل اکبر دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث ہمارے بزرگ اور محسن حضرت مولانا انظر شاہ صاحب نے نقش دوام کے نام سے ایک جامع و مانع سیرت اپنے ابا جان کی پر قلم فرمائی، موصوف چونکہ دارالعلوم دیوبند کے استاد رہے ہیں اور علوم و فنون کے کامیاب استاد رہے ہیں نیز تاریخ دہانی اور انشاء پر داری کا ملکہ بھی کافی حد تک رکھتے ہیں اس لئے ”نقش دوام“ عجیب الشان اور عظیم المرتبت تصنیف بن کر مصدق شہود پر آ چکی ہے۔ اگر مخلوق کی لکھی ہوئی کوئی کتاب کسی علم و فن سے مستغنی کر سکتی ہے تو بزرگوارم کی یہ کتاب اور تصنیفات سے اس موضوع پر بے نیاز کر دیتی ہے مگر ایسا نہیں ہے ولنعلم ما قیل:

کم ترک الاول للآخر۔

چنانچہ امام العصر حضرت شاہ صاحبؒ کے قدیم شاگرد جو اپنے آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کی نسبت سے ”محمد انوری“ کہلاتے تھے ان کی ایک مختصر اور جامع تصنیف ”انوار انوری“ لکھی ہے جو کافی حد تک حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم اور ان کی مبارک زندگی کے اطراف کو ظاہر کرنے والی ہے، یہ کتاب کافی حد تک علماء کے کام کی ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے بعض ایسے علوم اور تحقیقات جو اکثر تذکرہ نگاروں سے رہ گئے

ہیں وہ اس کتاب ”انوار انوری“ میں موجود ہیں۔ کتابت اور طباعت کمزور رہی ہے جس کی وجہ سے بعض دقیق علمی اشارات سمجھنے میں دقت پیش آرہی ہے، تاہم ہماری کوشش رہی کہ جہاں تک ہو سکے یہ کتاب پہلے ایڈیشنوں کے مقابلے میں زیادہ صاف اور قابل دید بن کر سامنے آئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عاجز اور فقیر کو حضرت اقدس شاہ صاحبؒ اور ان کے علوم و کمالات سے گہری مناسبت نصیب فرمائی جس پر میں ہر لمحہ حق تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں اور اسکی کئی وجوہات ہیں۔ سب سے پہلے اوائل تعلیم میں حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب جہانگیروی کی صحبت اور ان سے خوشہ چینی کی سعادت نصیب ہوئی جو حضرت شاہ صاحب کے اولین اور لائق شاگردوں میں سے تھے اور انھیں حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث میں ہر کتاب میں اول آنے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب جب اپنے استاذ مولانا انور شاہ صاحب کا تذکرہ فرماتے تو مشک و عنبر مہک جاتی اور مجلس کشت زعفران بن جاتی۔ بعد میں دیکھا کہ شیخ طاہر بیٹی نے اپنی کتاب مجمع البحار میں یہ آداب لکھے ہیں کہ اپنے استاذ کا ذکر بڑے آداب و القاب کے ساتھ کرنا چاہئے۔ تدریب وغیرہ میں بھی یہ آداب موجود ہیں۔

دوسری وجہ جامعہ اسلامیہ بنوری ناؤن میں علوم انور شاد کے امین حضرت مولانا محمد

MUHAMMAD ZAR VALI KHAN

KHADIJ AL-JAMALI, TAL. ADARAH, AHMEDABAD
UL-QOM KHADIM UL-HADITH WAL-TAI SECH
RAJPUTA - BLANAH, TAL. ADARAH, AHMEDABAD
ADARAH, TAL. ADARAH, AHMEDABAD
ADARAH, TAL. ADARAH, AHMEDABAD



محمد زری ولی خان

وہابیہ، جامعہ اسلامیہ، علی گڑھ
پتہ: پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ
پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ
پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ

یوسف بنوریؒ کی صحبت اور تلمذ ہے کہ آپ اپنے شیخ کے احوال جیسے راوی روایت کر رہے ہوں بیان فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں اپنے شیخ کا ابو ہریرہ ہوں، حضرت کے اس حسین انداز کا ہمارے استاذ مولانا اور لیس صاحب میری خوشی جو خود بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد تھے حضرت بنوریؒ کے احوال میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بینات خصوصی نمبر۔

تیسری وجہ جس کا اثر تقریباً تمام اکابر و اصاغر علماء دیوبند پر ہے وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے عمیق علوم و دقیق نظر اور فقہ و حدیث میں قابل قدر تطبیقات ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ سے بخاری کی شرح فیض الباری اور ترمذی کی شرح عرف شذی اور معارف السنن اور ابوداؤد کی شرح انوار المحمود میں وہ کام لیا ہے جو حافظ ابن حجرؒ سے فتح الباری میں اور بدر الدین عینیؒ سے عمدہ القاری میں اور احمد قسطلانی سے ارشاد الساری میں نہیں لیا گیا۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ جن مقامات پر وہاں کلام نہیں ہے یا منتشر ہے وہاں حضرت شاہ صاحبؒ بحرِ خوار کی طرح موجیں مارتا ہوا لعل و جواہرات و دیعت فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی دیگر تصنیفات جیسے کشف المستور عن ابواب الوتر اور نبیل الفقہ قدین اور بسط الیدین وغیرہ کتب بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ”فصل

MUHAMMAD ZAR VALI KHAN

KHADIJ AL-JAMALI, TAL. ADARAH, AHMEDABAD
UL-QOM KHADIM UL-HADITH WAL-TAI SECH
RAJPUTA - BLANAH, TAL. ADARAH, AHMEDABAD
ADARAH, TAL. ADARAH, AHMEDABAD
ADARAH, TAL. ADARAH, AHMEDABAD



محمد زری ولی خان

وہابیہ، جامعہ اسلامیہ، علی گڑھ
پتہ: پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ
پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ
پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ پتہ

المخطاب“ اور ”خاتمة الكتاب“ وغیرہ کتب بھی وقت کے محققین کے ہاں اسانید علم بھی جاتی ہیں۔ مگر فتنہ آ خر زمان قادیانیت و مرزائیت کے خلاف آپ کے بے شمار مقالے اور اپنے تمام قابل شاگردوں کو اس مسئلہ کی طرف متوجہ کرنا اور خود ”اکسفا المملحدین“ اور ”عقیدۃ الاسلام فی حیاة عیسیٰ“ جیسی کتب جن کے بارے میں وقت کے محققین نے کہا ہے کہ اس کی نظیر اوائل کتب میں موجود نہیں۔ عقیدۃ الاسلام کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے قرین محدث اور متکلم اور مفسر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ قرآن کریم کی آیت ”انسی متوفیک“ کے ذیل میں حیات عیسیٰ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”اس موضوع پر مستقل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں، مگر میں اہل علم کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے مخدوم علامہ فقیہ النظر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اٹال اللہ بقائے رسالہ ”عقیدۃ الاسلام“ میں جو علمی لعل و جواہر و دیعت کئے ہیں ان سے متنبہ ہونے کی ہمت کریں، میری نظر میں اس موضوع پر ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی۔“ تفسیر شیخ الہند (المعروف بتفسیر عثمانی خوالد پارہ نمبر ۳ سورہ آل عمران حاشیہ نمبر ۷، تفسیر ذیل آیت نمبر ۵۵)۔ پاکستان کے شعلہ بیان مقرر، عوام و خواص کے محبوب خطیب، حق کے داعی اور مسلک دیوبند کے ترجمان شورش

MUHAMMAD ZAR VALI KHAN

KHADIM AL JAMA'ATUL AHMADIYAH KHADIM UL
CIYOM KHADIM UL HADITH WAL IMSELH
WAL IFIL - AL JAMA'ATUL AHMADIYAH KHADIM UL
CIYOM KHADIM UL HADITH WAL IMSELH
PAKISTAN TEL. 498275-498394



۱۲

محمد زروالی خان

خدمتِ حق و حقیقت کی خدمت میں
خدمتِ حق و حقیقت کی خدمت میں
خدمتِ حق و حقیقت کی خدمت میں

سلمان گیلانی دام اقبال جب محمد انور شاہ کی ولادت پر مبارک باد دینے آئے جب کہ
پورے ملک اور بیرون ملک کے احباب اور قدر شناساؤں نے اس موقع پر تہنیت و
مبارک باد کے ٹار دینے میں جو خود حضرت شاہ صاحب کی کرامات کا مظہر ہے۔ چنانچہ
سلمان گیلانی مدظلہ جب مبارکباد دینے آئے تو اپنی مادر زاد ملکہ شعر گوئی کے ساتھ یوں
ارشاد فرمایا۔

انور کے ساتھ اس کی عقیدت ہے دیدنی
گرچہ وہ کاشمیری ہے اور یہ پٹھان ہے
بیٹے کا نام رکھ دیا ہے ان کے نام پر
یہ نام ان کے واسطے تسکین جان ہے

چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ سے عقیدت و محبت کے مظہر نو نہال محمد انور شاہ نے ہر گیارہ
سال چند دن پہلے حفظ قرآن کریم مکمل فرمایا ہے جس کی تقریب سعید میں شہر بھر بلکہ
ملک بھر کے علماء اور اولیاء کی خوشنودی اور حوصلہ افزائی دیدنی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ جامعہ عربیہ احسن العلوم سے امام العصر حضرت مولانا انور شاہ
صاحب پر یہ دوسری کتاب حضرت کی مبارک سوانح پر مشتمل شائع ہو رہی ہے۔ امید

MUHAMMAD ZAR VALI KHAN

KHADIM AL JAMA'ATUL AHMADIYAH KHADIM UL
CIYOM KHADIM UL HADITH WAL IMSELH
WAL IFIL - AL JAMA'ATUL AHMADIYAH KHADIM UL
CIYOM KHADIM UL HADITH WAL IMSELH
PAKISTAN TEL. 498275-498394



۱۲

محمد زروالی خان

خدمتِ حق و حقیقت کی خدمت میں
خدمتِ حق و حقیقت کی خدمت میں
خدمتِ حق و حقیقت کی خدمت میں

کاشمیری نے خوب کہا ہے۔

یہ جہان فانی ہے کوئی بھی شے لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

حضرت اقدس شاہ صاحبؒ سے گہری وابستگی اور حضرت کے ساتھ نسبتوں کی
برکات کے نتیجہ میں جامعہ عربیہ احسن العلوم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قائم ہوا۔ اور
چند ہی سال سے علماء و طلباء کا بلکہ علماء و اولیاء کا مرکز و معدن بن گیا جس میں بوقت تحریر
دورہ حدیث شریف میں ۳۰۰ تین سو کے قریب مسافر طلباء موجود ہیں، یہ سب کچھ
حضرت شاہ صاحبؒ سے نسبت کی برکت ہے۔

گرچہ خوردیم ولے نسبت بزرگ داریم

چنانچہ جامعہ عربیہ احسن العلوم کے اوپر مرکزی گیٹ پر ”بیاد امام العصر حضرت مولانا
محمد انور شاہ صاحبؒ“ کے مبارک کلمات درج ہیں۔ یہ اس عاجز و فقیر اور اس کی کمزور و
عاجز محنت و کوشش کا ایک عنوان ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شاہ صاحب سے
تعلق و محبت کے نتیجہ میں پانچ بیٹیوں کے بعد بیٹا دیا اس کا نام بھی بہائق نہیں اور
نسبت علمی و تعلق قدیمی و شکر و فخر احسان ”محمد انور شاہ“ تجویز ہوا، چنانچہ عزیز القدر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ ایک قطرہ ہے بحر محیط کمالات انوری میں سے، اس لئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پورے علوم کا احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، ہمارے جیسے پیچیدہ انوں کی کہاں وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔
خود فرمایا کرتے تھے ہمیں مدت العمر کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا، اس کتاب کو آپ حضرات بغور مطالعہ کر کے کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علوم انوری اتنے بے بہا تھے آپ کی کتاب ”ایناس“ کا جو مطالعہ کرے حالانکہ وہ مختصر ہے تو پتہ چلے گا کہ گویا ساری عمر رد عبسائیت میں لگائی ہے اسی طریقے سے سبھی کتابیں ہیں۔

۔ قیاس کن ز گلستان من بحال مرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلاة والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ واهل بیتہ اجمعین۔
حضرت شاہ صاحب نے اپنی بعض تصانیف میں اپنا نسب نامہ یوں تحریر فرمایا ہے: محمد انور شاہ بن (۱) محمد معظم شاہ بن (۲) عبدالکبیر بن (۳) الشاہ عبدالخالق بن (۴) الشاہ محمد اکبر بن (۵) الشاہ حیدر بن (۶) شاہ محمد عارف بن (۷) الشاہ علی بن (۸) الشیخ عبد اللہ بن (۹) الشیخ مسعود الزوری الکشمیری۔

حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد بڑے ہی فقیہ اور عالم دین تھے، اور وقت کے شیخ تھے افسوس کہ میں نے ملک تقسیم ہونے سے قبل بھی حضرت شاہ صاحب کی سیرت پاک لکھی تھی تین سو صفحات سے اوپر ہی تھی، بڑی محنت کی تھی، کشمیر خطوط لکھ کر دریافت کرتا رہا، حضرت کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا سلیمان شاہ صاحب کے بہت سے خطوط آئے تھے، جو بہت طویل تھے، ان میں حضرت کا اردو کلام بھی تھا اور بہت سے عجیب و غریب واقعات حضرت کے کشف و کرامات کے متعلق تھے، ایک یہ تھا کہ ایک کشمیری جو کہ باؤلا تھا حضرت شاہ صاحب کا ایک جگہ کشمیر میں وعظ ہو رہا تھا تو وہ گڑ بڑ کرتا ہوا دوڑ کر حضرت کی طرف آیا، حضرت شاہ صاحب نے ایک تھپڑ مارا اس کی

حالت درست ہو گئی، بڑا ہی صحت یاب ہو گیا۔ پھر کبھی ایسی حرکت دیوانوں والی نہیں کی۔ افسوس کہ وہ کاغذات ملک تبدیل ہونے کے وقت وہیں رائیوٹ ضلع لدھیانہ میں رہ گئے، مسودہ بھی وہیں رہ گیا۔ اور ایک رسالہ رد قادیانیت میں جو کہ احقر نے لکھا تھا اور حضرت شاہ صاحب نے سفر بہاول پور میں دیکھا تھا اور پسند فرما کر بہت سے علماء کے پاس اس کا ذکر فرماتے رہتے تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور خود حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کے پاس بھی ذکر فرمایا کہ اس نے رسالہ لکھا ہے اور کفریات قادیانی بہ نسبت دوسروں کے مزید جمع کئے ہیں اسی بنا پر احقر سے بہت شفقت فرماتے تھے، وہ بھی وہیں رہ گیا۔ علامہ ڈاکٹر اقبال نے حضرت کے وصال پر تقریر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا:

ہزاروں سال زنگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ دور پیدا

فرمایا تھا کہ صدیوں ہمیں حضرت شاہ صاحب کا نظیر نظر نہیں آتا، خود میں نے حضرت شاہ صاحب سے استفادہ کیا ہے اور دیوبند میں جب تعزیتی جلسہ ہوا، یہ ۱۹۳۳ء کا ذکر ہے حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے تقریر فرماتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ مجھے ایسے لوگ یاد ہیں جن کو صحیحین زبانی یاد ہیں، اور ایسے بھی میں جانتا ہوں کہ جن کو ایک لاکھ حدیثیں حفظ ہیں مگر جس کو کتب خانہ کے کتب خانہ ہی حفظ ہوں، وہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کے سوا کوئی نہیں ہے، عموماً دیوبند میں مشہور تھا کہ حضرت چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں، اور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله واصحابه واهل بيته اجمعين.

حضرت شاہ صاحب نے اپنی بعض تصانیف میں اپنا نسب نامہ یوں تحریر فرمایا ہے: محمد انور شاہ بن (۱) محمد معظم شاہ بن (۲) عبدالکبیر بن (۳) الشاہ عبدالخالق بن (۴) الشاہ محمد اکبر بن (۵) الشاہ حیدر بن (۶) شاہ محمد عارف بن (۷) الشاہ علی بن (۸) الشیخ عبداللہ بن (۹) الشیخ مسعود الزوری الکشمیری۔

حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد بڑے ہی فقیہ اور عالم دین تھے، اور وقت کے شیخ تھے افسوس کہ میں نے ملک تقسیم ہونے سے قبل بھی حضرت شاہ صاحب کی سیرت پاک لکھی تھی تین سو صفحات سے اوپر ہی تھی، بڑی محنت کی تھی، کشمیر خطوط لکھ کر دریافت کرتا رہا، حضرت کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا سلیمان شاہ صاحب کے بہت سے خطوط آئے تھے، جو بہت طویل تھے، ان میں حضرت کا اردو کلام بھی تھا اور بہت سے عجیب و غریب واقعات حضرت کے کشف و کرامات کے متعلق تھے، ایک یہ تھا کہ ایک کشمیری جو کہ باؤلا تھا حضرت شاہ صاحب کا ایک جگہ کشمیر میں وعظ ہو رہا تھا تو وہ گڑ بڑ کرتا ہوا دوڑ کر حضرت کی طرف آیا، حضرت شاہ صاحب نے ایک تھپڑ مارا اس کی

حالت درست ہو گئی، بڑا ہی صحت یاب ہو گیا۔ پھر کبھی ایسی حرکت دیوانوں والی نہیں کی۔ افسوس کہ وہ کاغذات ملک تبدیل ہونے کے وقت وہیں رائیکوٹ ضلع لدھیانہ میں رہ گئے، مسودہ بھی وہیں رہ گیا۔ اور ایک رسالہ رد قادیانیت میں جو کہ احقر نے لکھا تھا اور حضرت شاہ صاحب نے سفر بہاول پور میں دیکھا تھا اور پسند فرما کر بہت سے علماء کے پاس اس کا ذکر فرماتے رہتے تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور خود حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کے پاس بھی ذکر فرمایا کہ اس نے رسالہ لکھا ہے اور کفریات قادیانی بہ نسبت دوسروں کے مزید جمع کئے ہیں اسی بنا پر احقر سے بہت شفقت فرماتے تھے، وہ بھی وہیں رہ گیا۔ علامہ ڈاکٹر اقبال نے حضرت کے وصال پر تقریر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا:

ہزاروں سال زنگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ دور پیدا

فرمایا تھا کہ صدیوں ہمیں حضرت شاہ صاحب کا نظیر نظر نہیں آتا، خود میں نے حضرت شاہ صاحب سے استفادہ کیا ہے اور دیوبند میں جب تعزیتی جلسہ ہوا، یہ ۱۹۳۳ء کا ذکر ہے حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے تقریر فرماتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ مجھے ایسے لوگ یاد ہیں جن کو صحیحین زبانی یاد ہیں، اور ایسے بھی میں جانتا ہوں کہ جن کو ایک لاکھ حدیثیں حفظ ہیں مگر جس کو کتب خانہ کے کتب خانہ ہی حفظ ہوں، وہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کے سوا کوئی نہیں ہے، عموماً دیوبند میں مشہور تھا کہ حضرت چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں، اور

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی یہی لکھا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی زبان پر یہ اکثر آتا رہتا تھا۔ ہائے افسوس کہ وہ بھی مجلسیں تھیں کہ جب حضرت شیخ الہند مالٹا سے تشریف لائے تو بعد عصر سدھری کے پاس صحن میں چار پائی بچھائی جاتی تھی، اس پر گائے کا سالم چڑا بچھایا جاتا تھا، اس پر حضرت شیخ الہند تشریف فرما ہوتے تھے اور چار پائی کے ارد گرد کرسیاں بچھائی جاتی تھیں جن پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا تاج محمود صاحب امرڈی سندھی اور خود حضرت شاہ صاحب مولانا محمد انور شاہ صاحب تشریف فرما ہوتے تھے۔ پھر کوئی کہنے والا یہ کہتا تھا کہ حضرت مہتمم صاحبان تشریف لارہے ہیں، یعنی حضرت مولانا محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، پھر آواز آتی کہ حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی بھی تشریف لائے ہیں، اور حضرت مولانا عاشق الہی صاحب بھی میرٹھ سے تشریف لائے ہیں۔ ان سب کے لئے بھی کرسیاں بچھائی جاتی تھیں، اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی برابر خدمت میں کھڑے رہتے تھے، حضرت کے ارد گرد علماء و صلحاء کا مجمع اتنا کثیر رہتا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی تھی اور خود اپنا مقدمہ القرآن سنایا کرتے تھے اور لوگ ہمدن گوش ہو کر سنتے تھے۔

پھر حضرت شاہ صاحب بہاول پور تشریف لائے، تو حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بھی جو اس وقت بہاول پور میں تھے تشریف لائے، حضرت مولانا محمد صادق صاحب دوم مدرس جامعہ عباسیہ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے۔ خود حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب بھی اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحب بھی دیوبند سے تشریف لائے اور سہارنپور سے حضرت ناظم صاحب عبداللطیف صاحب بمع مولانا اسد اللہ صاحب تشریف لائے اور بہاولپور کے بڑے بڑے علماء تشریف رکھتے تھے، اور حضرت شاہ صاحب کوئی مسئلہ بیان فرما رہے تھے، سب ہمدن گوش ہو رہے تھے، کوئی نہیں بولتا تھا۔ جس کوٹھی میں حضرت شاہ صاحب قیام فرماتے وہ کوٹھی بڑی وسیع تھی۔ اور صحن بڑا فراخ تھا، مگر بعد عصر اس میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی تھی۔ کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں، دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا یک بارگی؟ حضرت مجذوب صاحب فرماتے ہیں:

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے
حال دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانه
گفت یا خوابست یا بادیست یا افسانہ
باز پرسیدم بحال آنکہ دروے دل بہ بست
گفت یا غول است یا دیوے است یا دیوانہ

وہ صورتیں الہی کس ملک بستیاں ہیں
کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

☆☆☆

حضرت شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے: اذا الناس ناس والناس زمان.

زمان.

☆☆☆

اس زمانے کے لوگ کیا عجیب لوگ تھے اور زمانہ کیا ہی بابرکت تھا۔ اور خود یہ بھی فرمایا کرتے تھے جیسے عوام ہوتے ہیں انہیں میں سے خواص ہوتے ہیں، اس زرین مقولے سے اندازہ فرمائیے کہ کیا عوام کیسے خواص۔ دیوبند میں جب حضرت شیخ الہند تشریف لائے تو ہمارے حضرت شاہ عبد القادر صاحب اور حضرت غشی رحمت علی صاحب اور حضرت مولانا اللہ بخش بہاول نگری بھی تشریف لائے اور ضلع جالندھر سے حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب بھی تشریف لائے اور گوجرانوالہ سے حضرت مولانا عبد العزیز صاحب بھی تشریف لائے اور حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب بھی تشریف لائے اور حضرت مولانا فضل احمد صاحب بھی تشریف لائے، غرض علماء و صلحاء حضرت شیخ الہند کی زیارت کے لئے پروانہ وار آ رہے تھے۔ اس متبرک مجمع کو شام کو کھانا کھانا اور حضرت مدنی کے ساتھ خدمت کرتا ہمیں بھی نصیب

ہوتا تھا، آہ وہ مجلسیں اب خواب و خیال ہو گئیں۔

اور حضرت مولانا تاج محمود صاحب امرولی جو کہ مولانا عبید اللہ سندھی کے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے پہلے پیر و مرشد ہیں، جب تشریف لائے تو ابوداؤد کے سبق میں حضرت شاہ صاحب کے درس میں جو کہ بعد عصر ہوتا تھا انہیں بیٹھے تھے، بڑے لمبے جوان تھے، بڑے جوشیلے اور بڑے ہی عالم، چونکہ حضرت شیخ الہند سے بڑی ہی عقیدت تھی اور حضرت شاہ صاحب سے بھی محبت تھی، اس لئے دور دراز کا سفر طے کر کے تشریف لائے حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں شاہ عبد الرحیم صاحب تاکید فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہند مالٹا سے ضرور تشریف لائیں گے آپ حضرات ضرور ان کی خدمت میں جایا کرنا۔ اس لئے حضرت کئی بار تشریف لائے۔

(ف) حضرت کی سوانح حیات مفصل مولانا سید محمد یوسف بنوری کراچی نیوٹاؤن کے مدرسہ کے مہتمم صاحب جب ڈابھیل پڑھاتے تھے تو انہوں نے لکھی تھی۔ اور بھی مختصر کئی ایک کتابیں لکھی گئیں جو کہ حضرت کی میر تقی ہیں۔ مولوی عتیق احمد صاحب مدرس دیوبند کی بھی ایک تالیف ہے جس کا نام تذکرہ انور ہے، مولانا کریم بخش صاحب گورنمنٹ کالج لاہور کا بھی ایک رسالہ ہے اس کو جزاء الاحسان کہتے ہیں۔ اور حیات انور بھی کئی سو صفحہ کی کتاب ہے، اس میں کئی ایک علماء کی تحریریں ہیں اور بھی بہت سی ہیں، ہمارا تو اس کتاب میں کمالات انوری بیان کرنا مقصود ہے، اس کا نام "انوار

انوری“ رکھا جاتا ہے۔ غرض حضرت کی سیرت پاک کی مفصل سرگزشت بیان کرنا مقصود نہیں اس کے لئے تو بڑا طویل دفتر درکار ہے، مولانا محمد یوسف بنوری کی ایک تحریر اور بھی ہے، جو عقیدۃ الاسلام کے جدید ایڈیشن کے شروع میں لکھی ہوئی ہے۔ ایک اور تحریر ہے جو مشکلات القرآن میں بھی ہے، اس میں حضرت کے قرآنی کمالات بیان فرمائے گئے ہیں، سیرت کا کچھ حصہ فیض الباری کے شروع میں لگا ہوا ہے اور مولانا احمد رضا صاحب بجنوری کی بھی ایک کتاب انوار الباری شرح بخاری بڑی کمال کی کتاب ہے اس میں بھی حضرت کے حالات مبارکہ بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔ خدا کرے وہ کتاب پوری ہو جائے تو علماء کو ایک خزانہ علم کامل جائے۔ مولانا حاجی محمد صاحب، جہانسرگ جو جنوبی افریقہ میں ہے اور ان کا قدیم وطن ہندوستان میں ڈابھیل سملک ہے ضلع سورت، وہ بڑے ہی عاشق زار تھے کہ حضرت کے علوم کی خدمت کی جائے، انہوں نے بہت سا روپیہ خرچ کر کے حضرت کی آثار السنن پر یادداشتوں کا عکس بھی شائع کیا ہے اور میرے پاس بھی بھیجا تھا، ان کی خواہش تھی کہ حضرت کی مفصل سوانح حیات لکھی جائے اور آپ کے علوم کا تذکرہ بھی شائع ہو، افسوس کہ وہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کو حضرت سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت کے تلمیذ رشید بھی تھے۔ بڑے ذکی عالم بڑے فیاض اور صاحب خیر کثیر تھے مجھ سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ میں نے ”مکتوبات بزرگان“ میں ان کے بھیجے ہوئے کچھ حضرت کے خطوط بھی شائع کئے ہیں۔

جب احقر نے مکتوبات بزرگان جس میں اور مکتوبوں کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے بھی مکتوبات کچھ تھے شائع کیا۔ اور اس کا ایک ایک نسخہ دیوبند مولوی محمد ازہر شاہ صاحب اور مولانا مولوی محمد انظر شاہ کشمیری کی خدمت میں بھی بھیجا تو بعد مطالعہ مولانا ازہر شاہ صاحب نے تحریر فرمایا کہ مکتوبات کا مطالعہ کیا پہلے تو میں حضرت والد صاحب کے مکتوبات پڑھ کر خود رویا اور پھر میں نے جا کر والدہ صاحبہ کو بھی وہ خطوط سنائے والدہ صاحبہ تو پہلے ہی غلیل تھیں وہ خطوط سن کر اور بھی بے چین ہو گئیں بہت رونیں۔ والدہ کی بیماری کا اسی طرح حال ہے سلام لکھواتی ہیں اور دعا کا فرماتی ہیں۔

اور مولانا محمد انظر شاہ مدرس دارالعلوم دیوبند اپنے والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مخدوم و محترم!

سلام مسنون، آپ کا ہدیہ سنیہ ”مکتوبات بزرگان“ وصول ہوا، اول سے آخر تک پڑھا آپ نے بڑے کارآمد اور معلومات افزا مکتب کا مجموعہ مرتب کر دیا ہے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

اس سے انشاء اللہ لوگوں کو بے حد فائدہ پہنچے گا اور یہ مجموعہ تاریخی اہمیت کا حامل ہوگا۔ دو چیزیں جناب کو توجہ دلانے کے لئے عرض ہیں۔

اول یہ کہ مولانا بشیر احمد سکر وڈوی جو مولانا ادریس سکر وڈوی کے بھائی تھے وہ مراد نہیں ہیں بلکہ مولانا بشیر احمد بھٹہ مراد ہیں۔

دوسرے یہ کہ حاجی ابراہیم میاں صاحب حاجی محمد بن موسیٰ کے چچا

ہیں، ابھی بقیہ حیات ہیں اور سملک میں ہیں۔

جناب کی خرابی صحت سے تشویش ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے آپ کا وجود قوم و مذہب کے لئے اس دور میں بہت ضروری ہے، اماں جی کی طبیعت بدستور ہے علاج شروع کرایا گیا ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عنایت فرمائے۔

والسلام

انظر شاہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مربعہ نعتیہ فارسی

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر و اماندہ آخر طالب منزل شدم
کز جنگا پو سو بسو شام غریباں در رسید
دشت و گلگشت و بہارستان و خارستان بہم
فکر و ہم ہدم نفس اندر نفس زاد رہم
پیش و پس بانگ جرس از کارواں در ہر قدم
دید عبرت کشودم مخلصے نامد پدید
تا سروش غیب از الطاف قدسم یاد کرد
زحمت حق بچو من در ماندہ را امداد کرد
ما من خیر الوری بہر نجات ارشاد کرد
مقصد ہر طالب حق آں مراد ہر مرید
قبلہ ارض و سما مرآت نور کبریا
سید و صدر علی بخش خنی بدر دجی
شافع روز جزاء وائلکہ خطیب انبیاء
صاحب حوض و لوا گل خدا روز عتید

صاحب خلق عظیم مظہر جود عظیم
 آیت رحمت کہ شان اور کفست و رحیم
 رحمۃ للعالمین خواندش خداوند کریم
 خلق و خلق و قول و فعل و ہدی و ہمت او حمید
 دست او بیضا ضیا اجود ترا ز باد صبا
 ہذا وقت عطا ابر سخا آب بقا
 وقف امر عالمی بر خشک آں رحمت لقا
 عام اشہب از جمال طلعتش عید سعید
 داغ مہر او چراغ سینہ اہل کمال
 شور عشقش در سر عمار و سلمان و بلال
 ثبت بر ایمان و نعمان و مالک بے خیال
 والہ آثار وے معروف شبلی با یزید
 از حدیث وے سر در حیلہ اہل اثر
 مسلم و مثل بخاری وقف بر وصل سیر
 سنت بیضاء وے نور دل ہر بابہر
 اتقیا را اسوۃ اقدام وے تقلید جید
 سید عالم رسول و عبد رب العالمین
 آں زماں بودہ نبی کا دم بد اندر ماہ و طہین
 صادق و صدوق و حنی غیب و مامون و امین

در ہر آں چیزے کہ آوردست از وعدہ و وعید
 منبر او سدرہ و معراج او سنج قباب
 در مقام قرب حق بر مقدم او فتح باب
 کاندہ انجا نور حق بود و نہد دیگر حجاب
 دید و بشنید آنچہ جزوے کس بنشیند و ندید
 مدح حاش رفیع ذکر و شرح و صفح شرح صدر
 او امام انبیاء صاحب شفاعت روز حشر
 ہمکنار زیر لوانش یوم عرض و نیست فخر
 سید مخلوق و عبد خاص خلاق مجید
 اخیر و خیر الوری خیر الرسل خیر العباد
 قدوۃ اہل ہدایت اسوۃ اہل رشاد
 نغمہ از ہمت او خلق را زاد معاد
 عالم از رشحات انفاس کریمش مستفید
 انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او
 برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او
 مشرق صبح وجود ما سوا مشکوۃ او
 مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید
 دین او دین خدا تلقین او اصل ہدی
 نطق او وحی سا حقا نجوم اجہدا

صاحب اسرار او ناموس اکبر بر ملا
 علم او از اولین و آخرین اندر مزید
 مولدش ام القرئی ملکش بشام آمد قریب
 خاک راہ طیبہ از آثار وے بہتر ز طیب
 شرق و غرب از نشر دین مستطابش مستطیب
 امتش خیر الامم بر امتاں بودہ شہید
 خاص کردش حق با عاز کتاب مستطاب
 حجت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب
 نجم نجمش در براعت ہست برتر ز آفتاب
 حرف حرف او شفا ہست و ہدی بہر رشید
 الغرض از جملہ عالم مصطفیٰ و مجتبیٰ
 خاتم و در نبوت تا قیامت بے مرا
 اصل و اکمل ز جملہ انبیاء نزد خدا
 نعمت اوصاف کمال او فزوں تر از عدید
 تا صبا گلگشت گیہاں کردہ می باشد مدام
 بوے گل بردوش وے گردد بعالم صبح و شام
 باد بروے از خدائے وے درود و ہم سلام
 نیز بر اصحاب و آل و جملہ اخیار عبید
 و ز جناب وے رضا بر احقران مستہام

خاصہ آل احقر کہ افقر ہست از جملہ انام
 مستغیث ست الغیاث اے سرور عالم مقام
 در صلہ از بارگاہت در نشید این قصید
 ☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

روض الراحین مصنفہ مولانا کفایت اللہ صاحب مرحوم مفتی مدرسہ
 امینیہ دہلی جس کے چار شعر نقل کئے جاتے ہیں، مولانا کفایت اللہ صاحب کا
 نہایت بلیغ قصیدہ ہے جس میں مدرسہ امینیہ دہلی کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور
 حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کی تعریف بیان کی گئی ہے اور سولہ صفحے پر ختم
 ہوا، پہلا شعر ہے:

عرفت اللہ ربی من بعید

فکم بین الالہ والعبد

اصل میں یہ قصیدہ مدرسہ امینیہ ۱۳۶۶ھ کی روئیداد میں چھپا تھا، پھر
 اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں چھپوایا گیا۔

ونختم ذا الکلام بذکر حبر

فقید المثل علام فرید

”اب ہم ایک بڑے عالم کی ذکر پر یہ کلام ختم کرتے ہیں وہ بے نظیر

شہر سے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لائے ہیں، میرے چونکہ مولانا کریم بخش صاحب استاد تھے میں بھی گیا یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا، مولانا کریم بخش صاحب تو ملے نہیں حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کہ مدرسہ امینیہ کے اندر بیٹھے ہیں اور ذکر جہری سے اللہ اللہ کر رہے ہیں تب میں سمجھا کہ حضرت صوفی بھی ہیں۔ یہ تو حضرت شاہ صاحب نے خود فرمایا تھا بہاول پور کے مقدمہ میں احقر نے ریل گاڑی میں جب امرتسر سے لاہور کو چلے سوال کیا کہ آپ کو اجازت کن بزرگوں سے ہے؟ تو فرمایا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ سے، ۱۳۱۹ھ میں حضرت نے مجھے حدیث کی سند بھی دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی، ویسے تو ہمارا سلسلہ دس پشت سے سہروردی ہے۔ اور مجھے حضرت مولانا معظم شاہ والد صاحب سے اجازت ہے۔

(ف) حضرت شاہ صاحب عموماً سہروردی سلسلہ میں اور چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرتے تھے دونوں حضرات کے ذکر تلقین کرتے تھے۔

۱۳۱۵ھ سے پانچ سال تک دہلی میں رہے۔ پھر والد صاحب کے اصرار پر کشمیر تشریف لے گئے اور بارہ مولانا مدرسہ فیض عام جاری کیا، غالباً پھر حج کو تشریف لے گئے، خود فرماتے تھے کہ میں مدرسہ منورہ پہنچا تو مولانا ظہیر احسن شوق نیوی رحمہ اللہ علیہ کے لئے دعائے مغفرت ہو رہی تھی۔ مدرسہ منورہ مسجد نبوی میں تب معلوم ہوا کہ حضرت نیوی کا وصال ہو گیا، یہ بہت بڑے محدث ہو گزرے ہیں صاحب تصانیف ہیں۔ آثار السنن ان ہی کی ہے۔ اور جامع الآثار لامع الانوار وغیرہ ان کے مصنفات ہیں یہ

بزرگ بہت اللہ سے ڈرنے والے صاحب ورع اور صاحب اتقا تھے، اپنی کتاب آثار السنن جب تصنیف کر چکے تو ایک ایک جز مجھے کشمیر میں بھیجا کرتے تھے۔ (یہ بات مجھے مفتی فقیر اللہ صاحب نے بھی سنائی تھی)

مدینہ منورہ میں روضہ پاک کے پاس مسجد نبوی میں بھی آپ نے (شاہ صاحب نے) درس حدیث دیا ہے اہل مدینہ خصوصاً علماء بہت متوجہ ہوئے اکثر مسائل کا جواب آپ نے ان کو رسالوں کی شکل میں دیا جو علماء دیوبند ان دنوں میں وہاں رہتے تھے۔ انہوں نے کوششیں کیں کہ شب باشی آپ کی مسجد نبوی میں ہو۔

پھر حج سے واپسی پر دیوبند تشریف لائے^(۱)، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے اور دیگر علماء سے ملے پھر شیخ الہند مولانا حبیب الرحمن مولانا حافظ محمد احمد مولانا احمد حسن امروہی کے باہمی مشورے سے طے پایا کہ حضرت شاہ صاحب کو تار دیا جائے کہ کشمیر سے دیوبند استاد ہو کر تشریف لائیں۔ جب سے ڈابھیل تشریف لے جانے تک دیوبند ہی رہے۔

(ف) یہ واقعہ حضرت مولانا حبیب الرحمن نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۱۳۳۹ سنایا تھا جبکہ حضرت شیخ الہند کے وصال پر نو درہ میں جلسہ ہو رہا تھا، حضرت کے استاد حدیث مولانا محدث محمد اسحاق بھی ہیں۔ جو مولانا خیر الدین آلوسی بغدادی کے تلمیذ ہیں۔ وہ اپنے والد صاحب مولانا سید محمد آلوسی صاحب روح المعانی کے شاگرد ہیں ایک استاد مولانا حسین جسر طرابلس ہیں جو کہ اپنے والد کے شاگرد ہیں ان کا سلسلہ علامہ شامی اور (۱) یہ واقعہ ہمارے استاد مولانا فقیر اللہ صاحب نے ذکر کیا جو ان دنوں دیوبند میں پڑھتے تھے۔

علامہ طحطاوی تک پہنچا ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کے حدیث کے استاد ہیں۔

☆☆☆

اب آگے حضرت کے کچھ علمی مضامین کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں:

۲-۳-۴ دسمبر ۱۹۲۷ء کے جمعیت العلماء ہند کے اجلاس پشاور میں صدارت کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

”محترم حاضرین! خدائے قدوس کی قدرت کاملہ نے اگرچہ نظام کی بنیاد تغیر و تبدل پر رکھی ہے اور اس کی تمام تر فضا انقلابات و حوادث سے معمور ہے، جیسا کہ مشہور مقولہ ہے۔

کہ آئین جہاں گا ہے چینیں گا ہے چناں باشد

تاہم اس کے نظام کو مصالح کلیہ کے مناسب ایک منظم لڑی میں منسلک کر دیا ہے اور جملہ مسببات عالم کو سلسلہ اسباب کی وابستگی سے خالی نہیں چھوڑا۔ قدرت کاملہ نے یہ لوٹ پھیر اس لئے مقرر کیا ہے کہ اگر عالم میں گونا گوں تغیرات و انقلابات نہ ہوتے اور روز روشن شب تاریک کے ساتھ میدان مسابقت میں اس طرح نبرد آزما نہ ہوتا تو کوئی شخص یہ قدر کا جو بالا و پست تمام موجودات پر حاکم اور اس میں کار فرما ہے قائل نہ ہوتا اور عالم کی یکساں حالت کو دیکھ کر اس کی طبیعت اصلہ کا نتیجہ سمجھتا اور کبھی نہ جانتا کہ اس

بہترین نظام میں کوئی اور قوت کار فرما ہے۔

خیال فرمائیے کہ اگر آفتاب عالم تاب میں طلوع و صعود، زوال و غروب اور اس کی شعاعوں میں ترقی و تنزل نہ ہوتا اور تاریکی کے بعد نور کا ظہور اور جلوہ گری نہ ہوتی اور نور کے بعد تاریکی نہ آتی اور فضائے عالم ہر وقت نورانی رہتی تو کوئی شخص یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ عالم کی یہ نورانیت چشمہ خورشید کی مرہون منت ہے بلکہ وہ اس یقین کرنے پر مجبور ہوتا کہ طبیعت عالم ہمیشہ سے اسی طریق پر قائم ہے اور اس کی نورانیت کی مقتضی ہے، بقول قائل:

تا بود زمانہ اس چنین بود

عارف جامی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:-

ظہور جملہ اشیاء بضد است

وے حق را نہ ضد است و نہ نداست

اگر خورشید بر یک حال بودے

شعاع او بیک منوال بودے

ندانستے کسے کیس پر تو دوست

نہ بودے بیچ فرق از مغز تا پوست

الحاصل، فطرت الہیہ نے اس لئے عالم کو تغیر و تبدل کے چکر میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ انقلاب و تحول اہل بصیرت کے لئے اس بات کی دلیل ہو جائے کہ اس کے تمام تر مظاہر و شیون میں دست قدرت کار فرما ہے۔ اور سطح عالم اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا وجود خود بخود نہیں ہے بلکہ کسی دوسری

قوت کا دست نگر اور کسی قوت قاہرہ کا تابع فرمان ہے، عقلاء حکماء نے عالم کی اس منقادانہ حیثیت کو بہت سے دل پسند طریقوں سے بیان کیا ہے۔ خاکسار نے بھی اس کو ایک قطعہ میں ظاہر کر دیا ہے:-

جہاں چو نقش و نگارے است از ید قدرت

کہ بہر خویش چو نبود نمود بے بود است

سمات عجز و تسخیر ہر یکے پیدا

بقید سخت دریں قید خانہ مسدود است

نہ خود بخویش کہ برآمدہ ز دست دگر

چنانکہ نقش کہ حیران و دیدہ بکشودہ است

یعنی ہستی عالم جو ہمہ خوبی قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں کا بہترین نقش و نگار ہے جب کہ خود اپنے لئے نہیں ہے تو پھر وہ ایک نمائش اور دکھاوٹ ہے اس لئے کہ کارخانہ عالم کی تمام اشیاء قدرت میں مسخر اور اس قید خانہ کی قید سخت میں گرفتار اور عاجز ہیں، اس کا وجود اور اس کی ہستی اپنے ہاتھوں نہیں ہے بلکہ اس کا وجود ایک دوسرے ہاتھ سے کتم عدم سے نکل کر منصف شہود پر اس طرح جلوہ نما ہوا ہے جس طرح کہ تصویر آنکھیں پھاڑے ہوئی بشكل حیران اپنے مصور و نقاش کا پتہ دیتی ہے لیکن عالم کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے باوجود اس نظام و ترتیب کا ہونا اس لئے ضروری تھا کہ اگر یہ جہاں بہترین نظم کے ساتھ منتظم نہ ہوتا اور اشیاء عالم کے درمیان ارتباط و رشتہ اتحاد قائم نہ کیا جاتا تو عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب و تصادم کا ایک طوفان برپا ہو جاتا،

اور زمین و آسمان اور تمام اجسام ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جاتے اور عالم کی پیدائش اور وجود میں آنے پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہو سکتا۔

حضرات!

مجموعہ عالم جس کو عالم کبیر یا شخص اکبر سے تعبیر کرتے ہیں اس کی ترتیب و تنظیم کو عالم صغیر یا شخص اصغر یعنی انسان پر قیاس کرنا چاہئے، پس جس طرح شخص اصغر یعنی وجود انسان کا نظم قلب و دماغ اور جوارح کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ کہ تمام ملکات و اخلاق کا حامل و منبع قلب ہے اور معارف و علوم کا حامل دماغ اور تمام اعمال و افعال کے مظاہر ترک و اختیار کی تمام حرکات پہلے قلب سے اسی طرح صادر ہوتی ہیں جس طرح کہ بادشاہ کی جانب سے اوامر و فرامین صادر ہوتے ہیں پھر قلب کی اس جنبش کا دماغ پر اثر پڑتا ہے اور دماغ اس کی صحیح تصویر اور موزوں نقشہ کھینچتا ہے، اس کے بعد اعضاء و جوارح انسانی اس کے اقتعال میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں، گویا یوں کہنا چاہئے کہ قلب ایک بادشاہ ہے دماغ اس کا وزیر اور اعضاء اس کے خدم و حشم ہیں اس لئے تمام امور انسانیہ اصلاح و فساد کا مدار قلب پر ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے:

إن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله

وإذا فسدت فسد الجسد كله.

یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب تک وہ صحیح رہتا ہے تمام جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں فساد آ جاتا ہے تو کل جسم فاسد

ہو جاتا ہے۔

اور دماغ بجائے مشیر خیر یا شر کے ہے اور اعضاء و جوارح رفیق نیک یا رفیق بد، ٹھیک اسی طرح شخص اکبر (مجموعہ عالم) کے لئے بھی قلب اور دماغ اور اعضاء و جوارح ہیں۔ اس شخص اکبر کا قلب تو وہی ہے جس کو اصطلاح شریعت میں اولی الامر یا اصحاب حل و عقد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا دماغ حکماء و علماء شریعت غراء ہیں اور اس کے اعضاء و جوارح عامہ افراد خلق۔

فریضہ تبلیغ

مسائل ضروریہ میں سے ایک اہم مسئلہ فریضہ تبلیغ اسلام اور پیغام توحید و رسالت کا ہے جس کے بغیر بقاء دین متین کسی طرح متصور نہیں، اسلامی نقطہ نظر سے تبلیغ اور پیغام رسانی کے حق کا یہ اہم فرض صرف اسلام ہی کا حصہ ہونا چاہیے اس لئے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں حق اور صحیح راہ کی تعلیم ایک ہی مذہب دے سکتا ہے۔ اور جو مذہب اپنے اندر خود سچائی اور راستی رکھتا ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں تبلیغ اور پیغام حق کا کام انجام دے۔ لہذا اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے ہادی اور پیغمبر نے ہر حرکت و سکون کے وقت خدا کی یاد کی تعلیم دی ہے، پیغمبر اسلام کی تعلیم جو آج دنیا میں شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی ہے اس کو دیکھنے سے ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اس ہادی برحق نے اپنی امت کے لئے ایک

وقت بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں بندہ کو خدا کی یاد سے غافل رہنے دیا ہو، آپ نے ہر مسلمان کو تعلیم فرمائی ہے کہ کھانے اور پینے کے شروع میں اور اس کے ختم پر اور سوتے وقت اور سونے سے جاگنے اٹھنے پر صبح و شام اور گھر میں داخل ہوتے اور گھر سے نکلنے وقت اور مسجد میں داخل ہونے اور پھر اس سے باہر آنے کے وقت اور بیت الخلاء میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے اوقات میں اور بازاروں کے جانے کے لئے اور ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے کے لئے اور اس کے علاوہ تمام اوقات میں جو انسان پر گزرتے ہیں، خدائے قدوس کا ذکر کر د اور اس کا نام ہر وقت اور اپنی ہر حالت نشاط و اندوہ میں خدا کو کبھی نہ بھولو۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس امر و قیح کو خدا کا نام لئے بغیر شروع کیا جائے وہ نام تمام اور بے کار ہے۔

راہ تو باہر روش کہ پویند بکوہست

ذکر تو بہر زباں کہ گویند خوش آست

اب آپ ہی فرمائیے کہ نصاریٰ کس چیز کی تبلیغ عالم کے سامنے کریں گے؟ مسئلہ مثلیث کی؟! جس کا یہ حال ہے کہ آج تک وہ اس کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھ سکے۔

اوخوہشتن گم است کرار بہری کند

میرا خیال تو یہ ہے کہ دانا یاں فرنگ نے جو بالطبع نفع عاجل اور فوری نتیجہ کے طالب اور خواہشمند ہیں جب یہ دیکھا کہ بغیر دامنوں مفت تین خدا ملتے ہیں تو ان کو اس کی خریداری میں کچھ تامل نہ ہوا، اور بغیر کسی پس و پیش

کے بمصداق ”داشتہ آید بکار“ اس کے خریدار بن گئے، ورنہ انہوں نے جو نقصان طبع اور جولانی اس مسئلہ کی تعبیر میں دکھلائی ہے اور تثلیث کو حل کرنا چاہا ہے اور اس کی تنقیح میں وقت صرف کیا ہے اس سے بغیر نقصان کے کوئی نفع اس کے حل کرنے میں ان کو حاصل نہیں ہوا۔ اور بے مغز اور غیر وقیع باتوں کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

اور اگر کسی نے کتاب ”العقائد الوثنية في الديانة

النصرانية“ کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے کہ عقائد نصرانیت کے اکثر اصول و ثنویں اور بت پرستوں سے مستفاد ہیں، بلکہ ان مسائل کی تعبیر اور محاورات تک میں یہ امر بجاہت کے درجہ میں ثابت ہے۔ اس کے علاوہ مروجہ انجیلوں سے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد کی تالیف ہیں بلکہ حسب تحقیق آج تک ان کے مؤلفین کا بھی حال معلوم نہیں کیا کوئی مستفید ہو سکتا ہے؟ اور کیا ان سے مذہب و ملت کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں جن میں بجز اس کے تم کچھ اور نہ پاؤ گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلاں گروہ کے درمیان سے اس طرح اور لوگوں کی بھیڑان کے درپے اس طرح ہوئی اور اس طرح کیا! ان چٹاں اور چٹنیوں کی طفل تسلیوں سے کسی عاقل اور محقق کا کوئی کام نکل سکتا ہے یا اس کا کوئی صحیح راستہ مل سکتا ہے؟

نیز اگر آپ ان کلمات پر غور فرمائیں گے جو کہ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جن کو مقالات

طبیات شمار کیا گیا ہے تو آپ خود بخود کہہ انھیں گے کہ ان میں وہ نورانیت جو وحی الہی اور حدیث نبوی میں ہونی چاہیے قطعاً موجود نہیں ہے۔ اور ہرگز کسی طرح یہ ملفوظات مشکوٰۃ نبوت سے نکلے ہوئے نہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے بجز ”کوہ کندن و کاہ بردن“ کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور باقی رہا وہ فرقہ جو مادہ اور روح کو قدیم بالذات مانتا ہے اور اس کو مذہب و ملت سے تو کجا خدائے قدوس کی ذات سے بھی کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس مذہب کے اصول مذکورہ کے ماتحت اگر ہم تحقیق و تدقیق سے کام لیں تو ہستی باری تعالیٰ کا وجود بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ ہستی باری تعالیٰ پر اگر کوئی دلیل قائم کی جاتی وہ یہی ہے کہ سارے کاسار عالم جو ممکن الوجود ہے غیر کے ہاتھوں قائم ہوا ہے، اور جس کا قیام دوسری قوت کا محتاج نہ ہو۔ اور جب اس گروہ نے مادہ اور روح کو بھی قدیم بالذات مان لیا تو اب کسی قیوم کی کیا حاجت رہی جس کو ہم اور تم خدا کہتے ہیں اور اس ناخواندہ مہمان کو کہاں جگہ دیں گے۔

ممکن ہے کہ اس جگہ پر یہ خدشہ پیدا ہو کہ روح اور مادہ اگرچہ قدیم بالذات ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی قیوم بالذات کے اس لئے محتاج ہیں کہ یہ دونوں ناقص ہیں۔ اور ضرورت نظام عالم اس کو مقتضی ہے کہ ان کے لئے ایک ایسا واجب الوجود جو قدیم بالذات کے ساتھ ساتھ تمام صفات میں کامل ہوتا کہ وہ ان سے کام لے۔ تو یہ خدشہ کم علمی اور نقصان فہم پر مبنی ہے اس لئے کہ یہ کسی طرح عقل میں نہیں آ سکتا کہ جو شے قدیم بالذات ہو وہ ناقص بھی

ایک انسان کبھی اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھاتا اور نیچے کر لیتا ہے۔ اور کبھی خاموش کھڑا ہو جاتا ہے، تو وہ ان تمام افعال میں کسی مادہ یعنی لکڑی پتھر لوہے کا محتاج نہیں ہے۔ کہ جب تک وہ نہ ہو یہ شخص ان حرکات کو نہ کر سکے، ہاں کوئی فاعل مادہ کا محتاج اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول پر واقع ہو۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ ایک بڑھئی تخت کو بنانا چاہتا ہے تو اس وقت جب کہ وہ تخت کو بنائے گا چار چیزیں موجود ہوں گی، ایک بڑھئی، دوسری نجارت، یعنی اس کا ٹل یا فعل جو اس کے ہاتھ کی حرکت ہے۔ تیسری لکڑی، چوتھی تخت کی وہ صورت و ہیئت جو بننے کے بعد پیدا ہوتی ہے، تو بڑھئی اپنے اس فعل و عمل میں جس کو ہم اس موقع پر ”نجر“ یا گھڑنے سے تعبیر کرتے ہیں کسی مادہ کا محتاج نہیں، بلکہ اس کی فاعلیت کے لئے صرف ہاتھ کی حرکت کافی ہے، لکڑی ہو یا نہ ہو، البتہ جبکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لکڑی کا تخت بنا دے تو اس وقت وہ مادہ یعنی لکڑی کا محتاج ہے، اور ظاہر ہے کہ خود لکڑی اس کا مفعول نہیں ہے، اور نہ نجارت اس کا فاعل، بلکہ اس کا فاعل دوسری ہستی ہے، اس کا مفعول جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں صرف اس کی حرکت ہے۔

الحاصل کوئی فاعل جب ان چار چیزوں میں سے دوسری چیز کو پیدا کرے یعنی اپنے فعل کو تو وہ کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ فاعل حقیقی اور اس کے مفعول کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہو سکتی، ورنہ وہ فاعل حقیقی نہیں ہو سکتا، ہاں اگر وہ چوتھی چیز بنانا چاہے تو وہ بغیر کسی تیسری چیز کے چوتھی چیز نہیں بنا سکتا، اس لئے چوتھی چیز سے تیسری کا ہونا ضروری ہے

جب آپ اس اہم مقدمہ کو سمجھ گئے اور یہ امر آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ یہ سارے کا سارا عالم خواہ جواہر ہوں یا اعراض فاعل حقیقی یعنی خدائے قدوس کا فعل ہے اور جس طرح انسان اپنی حرکت و سکون بغیر مادہ کے پیدا کر لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم کو کتم عدم سے نکال کر موجود کر دیا، اور چونکہ حق تعالیٰ یعنی فاعل حقیقی کے لئے عالم دوسری چیز تھا نہ کہ چوتھی چیز اس لئے وہ تیسری چیز سے قطعاً مستغنی رہا اور اس کو کسی اور شے کی کوئی احتیاج نہ پڑی۔

نیز جب کہ ہر مذہب و ملت اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ بارگاہ صدیت حدود و زمانہ سے منزہ اور برتر ہے یعنی زمانہ کی حدود میں محدود و محصور نہیں اور اس جناب میں زمانہ معدوم ہے تو پھر اس میں ہی کیا حرج ہے کہ اس طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ کبھی سرے سے معدوم تھا اور اس کا وجود عالم کے وجود کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ احقر نے اسی کے متعلق لکھا ہے۔

آنکس کہ بابداع زمان رفت نہ فہمید

کز عمر حق این حصہ بخلق بہ بخشید

چوں واحد حق است بہر مرتبہ باید

نے مرتبہ ذہن کہ یک گفت بعدید

وہ شخص کچھ بھی نہ سمجھا جس نے زمانہ کو قدیم سمجھ لیا اس لئے کہ اس نے اپنے عقیدہ کے ماتحت خدائے قدوس کی صنعت قدم کا حصہ زمانہ کے حوالہ کر دیا، جبکہ خدائے قدوس کو واحد مانتے ہو تو پھر اس کی وحدت صحیح معنی

میں جب ہوگی کہ ہر مرتبہ میں اس کو واحد مانا جائے، ورنہ ذہنی مرتبہ میں اس کو واحد کہنا اور پھر زمانہ کو اس کی صفات میں شریک بنانا گفتی میں ایک کہنا ہے نہ کہ حقیقت میں، اور شمار میں تو ہر چیز اسی چیز کے مقابلہ میں اول کہلائی جاسکتی ہے، قدم تو صفات کمالیہ میں سب سے اونچی اور اعلیٰ صفت ہے، اس میں کسی کو ماننا عقل و انصاف دونوں سے بعید ہے۔ اور اگر شبہ کیا جائے کہ اگر عالم کو قدیم نہ مانے تو خدائے قدوس کا غیر متناہی وقت میں معطل ہو جانا لازم آتا ہے تو یہ بھی سوء فہم اور عقل کی نارسائی ہے، وہ وقت صفات ربانیہ میں وحدت مطلقہ کا ظہور حق تعالیٰ کو تعطیل سے منزہ اور برتر ثابت کرتا ہے، اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمام صفات کے مظاہر موجود ہوں۔

علمائے محققین نے اسی ربط حادث بالقدم کے مسئلہ میں بہت کچھ لکھا ہے، چنانچہ عارف جامی جو صوفیائے وجود میں سے بہت جلیل القدر مرتبہ پر ہیں فرماتے ہیں:

مجموعہ کون را بقا نون سبق
کردیم تصحیح ورقا بعد ورق
حقا کہ ندیدیم و نخواندیم درد
ذات حق و شکون ذاتیہ حق

ہم نے کائنات کی کتاب کو ایک ایک ورق کر کے سبق کی طرح پڑھا، کچھ تو یہ ہے کہ ہم نے ذات حق اور ”کل یوم ہو فی شان“ کے

مظاہرے کے سوانہ کچھ اس میں دیکھانہ پڑھا۔

اور مجدد سرہندی کہ صوفیائے شہود یہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

در عرصہ کائنات با وقت فہم
بسیار گزشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم و ندیدم درد
جز خل صفات آمدہ ثابت در وہم

میدان کائنات میں ہم عقل و فہم اور دقت نظری کے ساتھ بہت دوڑے، اور تیر کی طرح اس میں اس طرح گزرے کہ سر تا پا چشم حقیقت بن گئے، لیکن بجز صفات کے پر تو اور اس کی پر چھائیں کے اور کچھ بھی نہ حاصل کر سکے اور وہ بھی ہمیں پوری طرح حاصل نہ ہو سکی۔

اس خاکسار نے بھی اپنی بچہ دانی کے باوجود بقدر ہمت اس پر کچھ لکھا ہے۔

مجموعہ کون بود در کتم عدم
از حرف کن آورد بایں دیر قدم
فعلیہ است کہ بے مادہ ید قدرت او کرد
کز ضرب وجودی بعدم نیست قدم

یہ سارے کا سارا عالم پہلے پردہ عدم میں تھا، اس کے بعد ”کن“ کے اشارے سے یہ وجود موجود ہوا، یہ خدائے قدوس کا ایک فعل ہے جو اس کے دست قدرت سے بغیر مادہ کے ظاہر ہوا ہے، اس لئے کہ اگر وجود کو عدم

میں ضرب دیں تو حاصل ضرب قدم نہیں ہو سکتا، بلکہ حادث ہی نکلے گا یا یوں کہیے کہ جب عدم ذاتی ممکن کو وجود واجب ذاتی میں ضرب دیں یعنی اول کا ثانی سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصل ضرب یا نتیجہ تعلق حدوث زمانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، خیر یہ ایک طویل بحث ہے اس جگہ تو صرف اس قدر گزارش کرنا ہے کہ جن مذاہب و ملل کا یہ حال ہو کہ نہ ان میں تو حید کا پتہ اور نہ ان کے مذہبی اصول کے مطابق خدا کے وجود کا ثبوت ہو سکتا ہے تو پھر وہ کیا تبلیغ اور پیغام الہی پہنچا سکتے ہیں؟ یہ حق اگر ہے تو فقط مذہب اسلام ہی کو ہے، خدائے قدوس مسلمانوں کو توفیق نیک عطا فرمائے کہ وہ اس اہم فریضہ کی طرف پوری قوت سے متوجہ ہوں۔ اور اپنی عام سعی کو اس کام کے لئے وقف کریں۔

حضرات!

حقیقتاً اس اہم فریضہ کی اولین خدمت علماء کرام کا حق ہے اور یہ کام انہیں کے سپرد ہونا چاہیے تھا۔ اور قوم کا یہ فرض تھا کہ وہ علماء کا ہاتھ بٹاتے اور اس عظیم الشان مقصد کے لئے بدنہ یا درے یا قدمے یا قلمے ہر طرح امداد کرتے اور اپنے اطمینان کے لئے ان سے برابر حساب لیتے رہتے، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا اور تقسیم کار کو ترک کر کے ہر شخص اور جماعت ہر ایک کام میں دخیل ہو جاتی ہے اور نتیجہ بجز انتشار اور پراگندگی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اصول تبلیغ

حضرات!

جو لوگ اسلام کے اس اہم فریضہ کے لئے تیار ہوں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ پیغام دین متین اور نشر و ابلاغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ اور خلوص نیت اور فراخ حوصلگی اور حسن مقال اور راست بازی، شیریں کلامی، وسعت صدر، ایثار، جاں فشانی اور جفا کشی کے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں اور ایک لمحہ کے لئے ان کے دل میں حرص و طمع غرض نفسانی یا کاری شوق حصول دنیا نہ آنے پائے، ورنہ جو شخص ان امور کا لحاظ نہیں رکھتا اس کی آواز کسی طرح کارگر نہیں ہوتی اور اس کے کام کا سامعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الحاصل! مبلغ کو چاہیے کہ جو کچھ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے خود بھی اس پر کار بند ہو، اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی ہر ایک بات لوگوں کی قلوب میں دروغ بانی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ واقع نہ ہوگی، خدائے قدوس پیغمبر برحق حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے سلسلہ میں ان کا مقولہ نقل فرماتا ہے:

﴿وَمَا أَرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ، إِنْ أَرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

”میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو منع کرتا ہوں وہ خود کرنے

لگوں، میرا ارادہ تو سوائے اصلاح اور کچھ نہیں، جہاں تک میرے امکان میں ہوگا (اصلاح کروں گا) اور صرف خدا کی طرف سے ہی مجھے توفیق ہوگی اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“

اور دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے:

﴿اتأصرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم﴾ کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿يا أيها الذين آمنوا لم تقولون مالا تفعلون، كبر مقتا عند الله أن تقولوا مالا تفعلون﴾

ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، خدا کے نزدیک بڑے غصے کی بات ہے کہ جو باتیں نہیں کرتے وہ کہو۔

مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ

ہمارے علماء احناف رحمہم اللہ نے اس معاہدہ متبرکہ کو سامنے رکھ کر دارالحرب اور دارالامان کے بہت سے احکام و مسائل اخذ کئے ہیں۔

فقہائے احناف رحمہم اللہ نے دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دارالحرب اور دارالاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے، عقود فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے:

﴿فان كان من قوم عدو لكم وهو مفتحرير رقبة مؤمنة﴾

یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو کہ دارالحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قاتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیت، اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام سے اسلام لانے والے کی جان محفوظ و معصوم ہو جاتی ہے، مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت مؤثرہ یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے والے پر گناہ تو ہوتا ہے مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمت مقومہ یعنی اس کے توڑنے والے پر اس نفس معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہیں معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے اور مسلمان کے قتل کرنے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف و صریح حکم نازل فرمایا ہے:

﴿ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاءه جہنم﴾ یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمدتاً قتل کر دے گا اس کی جزاء جہنم ہے۔ اس آیت کریمہ میں جزائے اخروی مراد ہے جو عصمت مؤثرہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے، اور اسی قاتل پر اس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیت بھی واجب ہوتی ہے اور اس قاتل پر اس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیت بھی واجب ہوتا ہے جو مقتول کی جان کی عصمت مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے، پس اگر مقتول مسلمان دارالاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمت مؤثرہ اور عصمت مقومہ دونوں حاصل تھیں اس لئے اس کا اخروی بدلہ جہنم ہے اور دنیوی جزاء قصاص یا دیت ہے، لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دارالحرب کا رہنے والا تھا تو شریعت مطہرہ نے اس کے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں

کی بلکہ صرف کفارہ واجب کیا، جس سے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت موثمہ تو صرف اسلام لانے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر عصمت مقومہ کے لئے دارالاسلام اور حکومت و شوکت اسلامیہ کا ہونا شرط ہے۔ اور میرا مقصود اس بحث کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی و معاشرتی شرائط پر صلح و معاہدہ کر سکتے ہیں،^(۱)۔

آپ کا حافظہ (یعنی حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کا حافظہ) ضرب المثل تھا، درس حدیث کے وقت کتاب سے حوالہ نکال کر عبارت بلند آواز سے پڑھ کر سنا دیتے تھے، عموماً یہ دیکھا گیا کہ حسینا اللہ فرمایا اور کتاب کھولی وہی صفحہ نکل آتا تھا، اور شہادت کی انگلی اس عبارت پر ہی پڑتی تھی، جہاں سے حضرت کو حوالہ کی عبارت سنانا ہوتی ناظرین حیران ہو جاتے تھے، بہاول پور کے بیانات میں جب حوالہ نکالتے تو عموماً یہی ہوتا تھا۔

۱۔ ایک دفعہ بہاول پور ہی میں انہی کی شرح مسلم سے حوالہ نکالنا تھا کتاب ہمارے پاس نہ تھی، قادیانی مختار مقدمہ کے پاس یہ کتاب تھی، حضرت نے فرمایا بیچ صاحب لکھیے ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا

(۱) یہ طویل اقتباس ص: ۲۲ سے شروع ہو کر یہاں ختم ہوا ہے، ص: ۲۳۔

ہے یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے اس کو کہو عبارت پڑھے، جب اس نے عبارت نہ پڑھی تو آپ نے خود کتاب اس سے لے کر حسینا اللہ فرمایا اور فوراً حوالہ نکال لیا، وہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ انہی کی عبارت یہ ہے:

”وفی العتبۃ قال مالک: بین الناس قیام یستمعون لإقامة الصلاة فتغشاهم غمامة فإذا عیسی قد نزل“ (ص: ۲۶۶، ج: ۱، شرح مسلم للإمامی مصری: کمال اکمال العلم)

۲۔ مولانا عبد الواحد صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ (پنجاب) احقر کو سناتے تھے کہ جب میں ڈابھیل میں دورہ حدیث میں شامل تھا، میرے چچا صاحب حضرت مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ صاحب ”نیراس الساری فی اطراف البخاری“ کا خط میرے نام آیا کہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں جا کر عرض کریں کہ حضرت ہمیں ایک حدیث کی ضرورت ہے۔ الاحکام النبی تفارق المرأة الرجل، فرمایا کل کو آنا، اس وقت میں مصروف ہوں میں دوسرے دن حاضر ہوا تو مرا بیل ابو داؤد سے حدیث نکال کر میرے حوالے فرمائی۔

”إن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان فقالا إذا سجدتما فضعما بعض اللحم الأرض“ اور سنن کبریٰ بیہقی کی کتاب سے بھی حوالہ نکال کر عنایت فرمایا: ”إذا سجدت المرأة لصقت بطنها بفخذها كاستر ما

۳۔ وہیں بہاول پور ہی کا قصہ ہے کہ قادیانی شاہد نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کے اقسام میں سے کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے، آپ کو چاہیے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں، کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔

ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب بھی نہ تھی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حج صاحب لکھیے کہ میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے، امام رازی یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے: ”لا تجتمع اہمتی علی الضلالة“، یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی، اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔

مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارن پور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب جو اس مجلس میں موجود تھے حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے سن کر حیرت میں رہ گئے۔

ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے اس کو کہو کہ عبارت پڑھے ورنہ میں اس سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں، چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی، بعینہ وہی عبارت نکلی جو حضرت نے

پہلے حفظ پڑھ کر سنائی تھی، بیچ خوشی سے اچھل پڑا۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری بھی اس مجمع میں تھے، حضرت مولانا غلام محمد صاحب کا چہرہ مبارک مسرت سے کھل گیا۔ (یہ حضرت، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب کے مربی تھے اور مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے بھی پیر تھے)

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حج صاحب یہ صاحب ہمیں شتم کرنا چاہتے ہیں میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں میں انشاء اللہ مفہم نہیں ہونے کا۔

۴۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری نے ایک اجتماع کیا تھا وہاں حضرت مولانا شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اکابر دیوبند سہارنپور مدعو تھے۔ ہزاراں ہزار علماء مجتمع تھے۔ قادیانیوں نے کہا کہ ہر دو مناظر عربی زبان میں تقریر کریں گے، حضرت شاہ صاحب بھی مدعو تھے۔ حضرات نے حضرت شاہ صاحب کو تیار کر دیا، حضرت نے فرمایا کہ دونوں مناظرین عربی اشعار میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کریں گے، فی البدیہ بولنا ہوگا، اور نہ کاغذ کوئی کتاب اپنے پاس رکھیں گے، وہ لوگ تیار نہ ہوئے۔

یہ قصہ حضرت رائے پوری کو لاہور میں مولانا ابراہیم صاحب میاں چنوں والوں نے بھی سنایا تھا۔ مولانا ابراہیم صاحب اس وقت بھاگل پور میں مدرس تھے۔ مولانا فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن بھی تھے، اور حضرت شاہ صاحب نے خود بھی درس ترمذی میں ہمیں سنایا تھا پھر فرمایا

جالبین تم نے کیا سمجھا، میں انشاء اللہ اس پر قادر ہوں۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے یہ بھی سنایا کہ پھر حضرت شاہ صاحب نے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔

۵۔ احقر نے ریل گاڑی میں عرض کیا کہ جب امرتسر سے لاہور کو تشریف لے جا رہے تھے، یہ سفر بہاول پوری ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے۔ کہ شجرہ چشتیہ میں آپ کے نام کے بعد کن بزرگوں کا نام پڑھنا چاہیے؟ فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا۔ اور مجھے اپنے والد (مولانا معظم شاہ) سے بھی سہروردی خاندان میں بیعت لینے کی اجازت ہے۔

۶۔ جب ۱۳۳۸ھ ۱۳۳۹ھ میں ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حدیث پڑھتے تھے ایک مولانا جو کہ معمر تھے حضرت کی ملاقات کے لئے آئے، فوراً فرمایا: ”بیر بڑھی ہوئی تاں رانجھا آیا“ پنجابی میں فرمایا اور مسکرائے، پھر نشانیاں فرمادے کہ اس قسم کا مکان تھا جہاں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے، میز جیوں سے چل کر جانا ہوتا تھا، وہ بزرگ حیران رہ گئے کہ مدت کی بات ہے مجھے تو یاد بھی نہیں رہا۔

۷۔ مالیر کوئٹہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے، مولانا بدر عالم مہاجر مدنی بھی ساتھ تھے۔ پنجاب کے مولانا خیر الدین صاحب

بدر سہامینیہ دہلی کے فارغ التحصیل مولانا محمد غوث جو مولانا عبدالعلی صاحب کی خدمت میں دہلی رہے تھے مولانا عبدالجبار ابوہری مرحوم اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب و مولانا محمد صدیق صاحب حصاروی وغیرہم تھے، حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف ”شہباز“ کی باتیں ہونے لگیں، حضرت نے فرمایا کہ مولانا نور محمد صاحب کے وصال کو آج اسی سال ہو گئے، مولانا محمد صدیق صاحب نے حساب لگایا تو اسی سال ہوئے تھے نہ کم نہ زیادہ، مولانا نور محمد صاحب کی باتیں خوب یاد تھیں۔

۸۔ فرمایا کہ میں دو سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتا تھا، ایک دن دیکھا کہ دو ان پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے، ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا، دوسرا منکر تھا کہ عذاب روح ہی کو ہوگا جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن کو ہوگا اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں ایک نابینا دوسرا نکلڑا چوری کے خیال سے گئے نکلڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا نابینا کہتا ہے کہ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا، آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا نکلڑے کو اپنے کندھے پر اٹھالے اور نکلڑا پھل توڑے، اتنے میں اگر باغبان آ گیا تو وہ دونوں ہی کو گرفتار کرے گا اور سزا کا مستحق قرار دے گا، میں نے یہ بات سن لی پھر ایک زمانہ دراز گزرا میں ”تذکرۃ القرطبی“ دیکھ رہا تھا، اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما سے مذکور تھی، میں اس کو پڑھ کر اس ان پڑھ کی فطرت سلیمہ پر حیران رہ گیا کہ کیسا صحیح جواب دیا۔ حضرت شاہ صاحب نے یہ لدھیانہ میں مارچ ۱۹۳۷ء کو بتان الاسلام کے جلسہ میں فرمایا تھا، لوگ حضرت شاہ صاحب کے حافظہ پر حیران رہ گئے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں عالم آخرت کی ایسی باریک بات یاد رکھی۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

۹۔ حضرت مولانا محمد امین صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۴ھ ۱۳۳۵ھ میں جب ہم بخاری شریف حضرت شاہ سے پڑھتے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث سننے کا شوق ظاہر فرمایا حضرت مولانا محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمن حضرت تھانوی کے ہمراہ درس کے کمرہ میں تشریف لے آئے نکاح شغار کے متعلق حدیث کا درس ہو رہا تھا وقت چونکہ ختم ہو گیا تھا لہذا حضرت نے کتاب بند کر دی۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے فرمایا کہ شاہ صاحب حضرت تھانوی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں جناب کا درس سننا چاہتے ہیں حضرت شاہ صاحب نے پھر کتاب کھول لی۔ ڈیڑھ گھنٹہ درس دیا، اگلی حدیث پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت تھانوی نے فرمایا شاہ صاحب یہ علوم وہیہ ہیں کسب یہ نہیں یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

۱۰۔ جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ مالٹا سے تشریف لائے تو حضرت کو فکر تھی کہ یہاں کے علماء اختلاف نہ کریں۔ اس لئے سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب سے انگریزی موالات ترک کرنے اور ان کی ملازمت چھوڑنے پر فتویٰ حاصل کیا۔ احقر کے والد صاحب زیارت کے لئے لالکپور سے دیوبند حاضر ہوئے تھے۔ اور حضرت شیخ الہند کے کئی روز مہمان رہے تھے۔ ان ہی ایام میں مسئلہ تحریر فرما کر حضرت شاہ صاحب شیخ الہند کی خدمت میں لائے۔ کوئی دس بجے کا وقت ہوگا گرمی کا موسم تھا، حضرت شیخ الہند کی خدمت میں مولانا احمد اللہ پانی پتی بھی حاضر تھے اور بھی بہت مہمان تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے نہایت ادب سے بیٹھ کر مسئلہ سنایا حضرت شیخ الہند کا چہرہ مبارک خوشی اور مسرت سے کھل گیا، احقر مع والد صاحب بھی حاضر تھے۔ درس میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ جان بازی جو حضرت شیخ الہند نے دکھائی ہے وہ تو کوئی کیا دکھائے گا ہاں حق ضرور واضح کر دینا چاہیے۔

مولانا ادریس سیکر وڈوی مرحوم کو سفر میں ساتھ لے جاتے تھے ان ایام میں ضلع مراد آباد کا دورہ فرمایا تھا مولانا محمد ادریس فرماتے تھے کہ شاہ صاحب اکثر یہ جملہ فرماتے تھے کہ اب مسئلہ واشگاف ہو گیا ہے اب حق میں حجاب نہیں چاہیے اور یہ شعر فرمایا کرتے تھے:

اٹھ باندھ کر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

۱۱۔ ان ہی ایام میں قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے چھوٹے بھائی قاری محمد طاہر صاحب مرحوم کا نکاح تھا، حویلی دیوان صاحب (مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے ایک عمارت بوسیدہ) کے صحن میں ہزاروں علماء اور صلحاء کا مجمع تھا نکاح کی مجلس تھی۔ حضرت شیخ الہند تشریف فرما تھے میرے والد صاحب بار بار حضرت شاہ صاحب کی طرف دیکھتے تھے کہ سب سے پیچھے خاموش بیٹھے ہیں حالانکہ آپ کے سینکڑوں شاگرد آگے ہو کر بیٹھے تھے تاکہ شیخ الہند کے قریب ہو جائیں۔ حضرت والد صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب کا غایت تادب دیکھ کر حیران رہ گئے۔

۱۲۔ ایک دفعہ کشمیر کو تشریف لے جا رہے تھے بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے، ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں؟ فرمایا نہیں میں ایک طالب علم ہوں اس نے کہا کہ آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا کچھ کچھ۔ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دئے۔ دس قرآن سے دس تورات سے دس انجیل سے دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا اگر مجھے تنخواہ کالا لچ نہ ہوتا تو میں آپ کی تقریر آپ کا علوم میں اس قدر استحضار دیکھ کر مسلمان ہو جاتا، نیز یہ کہ مجھے بہت سی باتیں اپنے مذہب کے متعلق آپ سے معلوم ہوئیں۔ فرمایا جب آپ کو حق معلوم کر کے

بھی توفیق نہ ہوئی کہ ایمان لے آئے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی قدر و قیمت آپ کے ہاں نہیں محض تنخواہ کالا لچ ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ پادری نہایت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

۱۳۔ مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہ صاحب اس زمانہ میں بینظیر عالم ہیں، مولانا غلام رسول انی والے استاد رحمہ اللہ نے جب پہلی بار قادیان میں حضرت شاہ صاحب کی تقریر سنی تو فرمایا علم ہو تو انور شاہ والا ہو ورنہ ہمارے علم سے تو جاہل ہی اچھے۔

مولانا ابراہیم صاحب میرسیالکوٹی نے اس وقت فرمایا تھا یعنی قادیان ہی میں کہ مجسم علم دیکھنا ہو تو شاہ صاحب کو دیکھ لو۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ نے وفات پر دیوبند میں تعزیتی جلسے میں فرمایا تھا کہ میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کے ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد تھیں لیکن ایسا عالم دین کہ کتب خانے کا کتب خانہ ہی سینہ میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انور شاہ کے اور کوئی نہیں دیکھا۔

۱۴۔ علامہ کوثری حضرت شاہ صاحب کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے، عقیدۃ الاسلام کا جدید ایڈیشن مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا مقدمہ دیکھنا چاہیئے علامہ زاہد کوثری کی عبارتوں پر عبارتیں نقل کرتے چلے گئے ہیں حضرت شاہ صاحب کی ”عقیدۃ الاسلام“ اور ”التصریح بما تواتر فی نزول المسیح“ یہ دونوں کتابیں علامہ محمد زاہد تعویذ کی طرح اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ حضرت بڑے صاحب کمال حافظہ حدیث والفہم قسطنطنیہ میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے، پھر مصطفیٰ کمال پاشا سے اختلاف کے باعث مصر تشریف لے آئے بڑی نادر تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔

تانیب الخطیب میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی نیل الفرقدین کی بڑی تعریف کی ہے آپ کو ”العلامة البحر المحرر“ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر کی سے سلسلہ طریقت ملتا تھا۔

علامہ سید سلیمان ندوی صاحب ندوی کا تاثر

۱۵۔ دین و دانش کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، یعنی مولانا محمد انور شاہ صاحب جانشین حضرت شیخ الہند صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند۔

دو برس کی علالت ہو اسیر اور ضعف و نقاہت کے ۵۹ برس کی عمر میں وفات پائی، مرحوم کا وطن کشمیر تھا مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ میں اقامت کی پھر واپس آ کر استاد کی خواہش اور اصرار سے دارالعلوم دیوبند کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی، جس کو شیخ الہند کے زمانہ جنگ میں ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۷ء تک اس طرح انجام دیا کہ چین سے لے کر روم تک ان کے فیضان کا سیلاب موجیں مارتا رہا۔ ہند اور بیرون ہند کے سینکڑوں تشنگانہ علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے، وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند، زہر و تقویٰ میں کامل تھے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند کیا۔

مرحوم کو سب سے پہلے ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں دیکھا جب کہ وہ اور مولانا حسین احمد مدنی سرزمین عرب سے تازہ وارد ہند ہوئے تھے، مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں میری حاضری کی تقریب پر طلبہ اور مدرسین کا جلسہ ترتیب پایا۔ جس میں انہوں نے میری عربی تقریر کے جواب میں تقریر فرمائی تھی۔ پھر جب حاضری ہوتی رہی یا خلافت اور جمعیت کے جلسوں میں ملاقاتیں

ہوتی رہیں۔

۱۹۲۷ء میں جب وہ پشاور کے اجلاس جمعیت العلماء کے صدر تھے میں بھی حاضر تھا، حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے مواقع ملتے رہے۔ ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ سوال سے خوش ہوئے، اہل کمال کی یہ بڑی پہچان ہے کیونکہ وہ مشکلات سے عبور کر چکتا ہے اور جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو شبہ کی اصل منشاء کو سمجھ جاتا ہے اور جواب دے کر خوش ہوتا ہے۔ مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے۔

ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید کوئی کتاب مطبوعہ یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو، میری تصنیفات میں سے ارض القرآن ان تک پہنچی تھی، اس پر اپنی رضامندی ظاہر فرمائی، مرحوم آخری ملاقاتوں میں زیادہ عربی نصاب کی اصلاح پر مجھ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

(معارف ربیع الاول ۱۳۵۲ھ اعظم گڑھ)

۱۶۔ فرمایا قبة محمودیہ کا کتب خانہ میں نے تمام دیکھا بعض نایاب کتب سے حوالے بھی لکھے بہت یادداشتیں مکہ مکرمہ کے کتب خانہ سے جمع کیں، معنی ابن قدامہ کا صحیح قلمی نسخہ مکہ مکرمہ میں دستیاب ہوا، اس سے کئی ورق یادداشت کے لکھے۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی ”السیر الکبیر“ مدینہ طیبہ میں دیکھی قلمی نسخہ تھا، نہایت عمدہ کتابت، اس کا مطالعہ کیا، یاد

داشتیں لیں، پھر جب ترکی حکومت کو زوال آیا اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس کتاب کو ساتھ لے گئے اب بعض شوقین اور علم دوست علماء نے نسخہ تلاش کیا نہ پایا، یہ کتاب قبة محمودیہ میں تھی۔

۱۷۔ حضرت شاہ صاحب کا قیام جب دارالعلوم دیوبند ہی تھا مظفر گڑھ پنجاب کے عظیم الشان جلسہ پر تشریف لے گئے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی تھے۔ مولانا ظفر علی خان اور دیگر زعماء قوم بھی مدعو تھے غالباً ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بھی تھے، حضرت کی زیارت کے لئے ہزاراں ہزار خلق اللہ جمع تھی، علماء اور زعماء کی تقاریر ہوئیں، حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ نے نام حق کا ایک شعر پڑھا:

غم دین خور کہ غم غم دین است

ہمہ غمہا فروتر از این است

اور اس پر بڑی رقت آمیز و پرتاخیر تقریر فرمائی، خود روئے اور

حاضرین کو دلایا:

غم دنیا محور کہ بے ہود است

ہیچ کس در جہاں نیا سود است

علامہ سید سلیمان ندوی پر اس صحبت کا بڑا اثر پڑا، کئی علمی سوالات کئے، اور جوابات سن کر بہت متاثر ہوئے، فرمایا کرتے تھے مولانا محمد انور شاہ صاحب علم کا بحر مواج ہیں، حافظہ کے بادشاہ ہیں۔

ظفر علی خان تو حضرت کے چہرے کے عاشق تھے، کہا کرتے تھے جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحب کے چہرہ کو دیکھتا رہوں۔

اگست ۱۹۳۲ء میں زمیندار کے ایک شمارہ میں ایک طویل مقالہ حضرت شاہ صاحب کے مناقب و کمالات پر لکھا، لکھتے ہیں کہ:

”حضرت مولانا انور شاہ صاحب مدظلہ کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیا عاجز ہے۔“

مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل گاڑی کے انتظار میں حضرت تشریف فرما تھے خدام کا ارد گرد مجمع تھا، ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لئے ہوئے آرہے تھے، حضرت شاہ صاحب کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے اور ایمان لے آئے، حضرت کے دست مبارک پر بیعت کر لی، کہتے تھے کہ ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام سچا دین ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ﴿وَيَغْفِرْ مَا دُونِ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ یہ آیت اہل سنت والجماعت کے مسلک کے حق ہونے میں صریح دلیل ہے۔ علامہ مختصری کو تاویل کرنا پڑی۔

فرمایا شرک کے معنی کفر مع عبادت غیر اللہ ہیں لہذا وہ تمام انواع کفر سے اچھٹ ہے، اور کفر اس سے عام ہے لیکن آیت مذکورہ بالا میں شرک سے مراد

کفر ہی ہے، کیوں کہ اگر ایک شخص عبادت غیر اللہ کی نہیں کرتا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منکر ہے یا آپ کو خاتم الانبیاء یعنی آخری نبی نہیں مانتا وہ بلا شک و بلا خلاف کافر ہے اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔ گو وہ مشرک نہ ہو، لہذا اس آیت مبارکہ میں شرک کا ذکر اس لئے ہوا کہ وہ لوگ شرک فی العبادۃ بھی کرتے تھے۔

کسی نے پوچھا کہ حدیث بخاری: ”إِذَا اتَّقَى الْمُسْلِمَانِ بَسِيفَهُمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا الْقَاتِلُ، فَمَا بِالْمَقْتُولِ؟ قَالَ: إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ“

اس حدیث میں جو آیا قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ارشاد ہے: ”السَّيْفُ مُحَاءُ الذُّنُوبِ“ یہ حدیث بھی صحیح ہے اور قوی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے وہ مقتول مراد ہے جو قاتل کے قتل کا ارادہ نہ رکھتا تھا، لہذا وہ ہر طرح مظلوم اور شہید ہے۔ یہی صورت ہاتیل اور قاتیل کے قصہ میں پیش آئی۔ اور ہاتیل نے قاتیل کو سنایا: ﴿إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ﴾۔ اس کی تفسیر بھی اس شرح سے حل ہو جاتی ہے یعنی میں اس پر راضی ہوں کہ تو اپنے گناہ (قتل) کی وجہ سے جہنمی بنے، اور میرے گناہ تیری تلوار کی وجہ سے محو

ہو جائیں، کیونکہ تلوار محاء الذنوب ہے، کیونکہ جب اس کے گناہ قاتل کی تلوار سے محو ہوئے تو وہی اس کے گناہ لے جانے والا ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہاتیل کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے گئے کیونکہ ﴿لَا تَسْزِرْ وَازِرَةً وَذِرْ الْخَوْرٰی﴾ کے خلاف ہے، پھر اس عنوان کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ظلماً قتل کرنے کی غیر معمولی قباحیت خوب واضح کر دی جائے تاکہ جو اس کی برائی کو سمجھ لے گا وہ بچنے کی سعی کرے گا۔

☆☆☆

بیان مقدمہ بہا و پور پانچ دن پانچ گھنٹہ فی یوم

ایمان کے معنی ہیں گردیدن باور کردن، اور شریعت میں انبیاء علیہم السلام جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اس بات کو ان کے اعتماد پر باور کر لینا، اب جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے ہے، اس طرح کہ آپ سے متواتر ثابت ہو جائے اور خواص سے عوام تک پہنچ جائے، جیسے وحدانیت باری تعالیٰ کی اور رسولوں کی رسالت اور ختم ہونا رسالت کا خاتم الانبیاء پر اور منقطع ہو جانا آپ کے بعد، اور عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ قرب قیامت میں تشریف لانا آپ کے اعتماد پر باور کر لینا ایمان کہلاتا ہے۔ کفر کے معنی ہیں حق ناشناسی یعنی منکر ہو جانا اور مکر جانا کفر کبھی اشارے سے بھی ہوتا ہے، جیسے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُم تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوُوا رُءُوسَهُمْ﴾ یا بات تو وہ مانتا ہے کہ جو کچھ دین میں آیا ہے حق ہے، لیکن یہ کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی کفر ہے، کیونکہ جس امت نے ہمیں الفاظ پہنچائے اسی نے ہمیں معافی بھی پہنچائے۔ مثلاً نبی علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے میں کسی کا بھی سلف میں سے اختلاف نہیں تھا۔ اب جو کوئی معنی یہ کرے کہ اس کے معنی اجزائے نبوت ہے، یا عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا مثیل آئے گا یہ بھی کفر ہے، ضروریات دین کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا کرنا جوارج سے ضروری ہو، بلکہ کبھی کوئی شے مستحب اور مباح ہی ہوتی ہے اس کا منکر بھی کافر قرار پاتا ہے۔

الحاصل ضرورت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثبوت شارع علیہ السلام سے قطعی ہو، خواہ وہ حکم جس پر وہ مشتمل ہے نظری ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ عذاب قبر اس کا ثبوت شارع علیہ السلام سے مستفیض ہے، اور کیفیت عذاب ہم سے مستور ہے، لہذا عذاب قبر کا منکر کا فرقرار پائے گا۔

فتح الباری میں ہے: وفي قصة أهل نجران من الفوائد أن إقرار الكافر بالنبوة لا يدخله في الإسلام حتى يلتزم أحكام الإسلام“ (فتح الباری ص: ۷۴، ج: ۸)

وعند مسلم ص: ۸۶ ج: ۱: عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: والذي نفس محمد بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودى ولا نصرانى ثم يموت ولم يؤمن بالذى أرسلت به إلا كان من أصحاب النار.

اور مستدرک ص: ۳۴۲، ج: ۲ میں ہے: عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من أحد يسمع بي من هذه الأمة يهودى ولا نصرانى ولا يؤمن بى إلا دخل النار، فجعلت أقول أين تصديقها فى كتاب الله حتى وجدت فى هذه الآية: ومن يكفر به من الأحزاب فالنار موعده، قال: الأحزاب الملل كلها.

یہ بات تھی جو شیخین (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) کے درمیان دائر ہوئی۔ فقال ابو بکر: من فرق

بين الصلاة والزكاة، يريد أنه ليس مؤمنا من لم يؤمن بالكل، فشرح الله له صدر عمر أيضا فرأى ما رآه أبو بكر. فعند مسلم عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله ويؤمن بى وبما جئت به، وإذا فعلوا ذلك عصموا منى دماءهم وأموالهم إلا بحقها، وحسابهم على الله.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں دو قاصد مسلمہ کذاب کے آئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہارا بھی وہی عقیدہ ہے جو کچھ مسلمہ کا ہے؟ ایک نے کہا کہ ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے حالانکہ اذان میں اشہدان محمد رسول اللہ کہلاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے تو میں تم کو ضرور قتل کراتا۔ یہ قصہ ہو چکا پھر ان میں سے ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود کو ملا آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا اب بھی وہی عقیدہ ہے اس نے جواب دیا کہ ہاں آپ نے اسی وقت تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا، کہ اب تم قاصد نہیں رہے۔ یہ قصہ ابو داؤد وغیرہا میں موجود ہے اس پر یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رواج پر عمل کیا، یہ غلط ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا یہ خود ایک قانون ہے۔

وقصة دباء أی القتل عندها ابو يوسف القاضي ولات

اوان۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا ایک آدمی نے اٹھ کر کہا مجھے تو یہ پسند نہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تلواریں نکالی اور سارے قتل کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے توبہ کی۔

کدو کھانا کوئی ضروری نہیں لیکن اس نے عین حدیث بیان کرتے وقت کہ حضور کو یہ مرغوب تھا اس وقت یہ کلمہ کہا تھا مثلاً جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے اور امت کھاتی چلی آئی یوں اگر کوئی نہ کھائے تو کچھ گناہ نہیں لیکن یہ بات کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے اور امت کھاتی چلی آئی اس وقت اگر انکار کرے گا تو قتل کیا جائے گا۔

پھر یہ سمجھو کہ ہمارا دین متواتر ہے، اور دنیا میں کوئی دین متواتر نہیں، تواتر کے یہ معنی ہیں کہ کسی چیز کا ثبوت ہم تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے لگا تار ہوتا آیا اس کو تواتر کہتے ہیں۔ تواتر کنی قسم کا ہوتا ہے، ایک تواتر اسناد جیسے کہ حدیث: ”من کذب علی متعمدا فلیتبعوا مقعده من النار“ فتح الباری میں یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور حسن اور تمیں صحابہ رضوان اللہ علیہم سے ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ختم نبوت کی حدیثیں میرے ایک رفیق نے جمع کیں، وہ کوئی ڈیڑھ سو سے زیادہ ہوتی ہیں جن میں سے تیس صحاح ستہ کی حدیثیں ہیں۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے متعلق میرا ایک رسالہ ہے ”النصریح بما تواتر فی نزول المسیح“ اس میں ستر سے زائد حدیثیں صحیح ہیں، اور میری کتاب ”عقیدۃ الاسلام“ ہے اس کا حاشیہ تحفہ

الاسلام ہے۔

تفسیر ابن کثیر ص: ۳۵۶ مطبوعہ مصر جدید میں ہے: قال الحسن: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن عیسیٰ لم یمت، وإنه راجع إلیکم قبل یوم القیامة۔

إنه لعلم للساعة کونه علما لها هو الذی اشتهر فی الحدیث بالاشراط، فذکره القرآن بکونه علما صار عرف الحدیث کونه من الاشراف، وكأنه أخذ من هذا اللفظ من قوله: ﴿فقد جاء اشرافها﴾ وإذن ففی الآیة بیان الإمكان أولا ثم بیان الوقوع ثانيا، وأخرج عبد بن حمید وابن جریر أن الحسن رضی اللہ عنہ وإنه لعلم للساعة قال: نزول عیسیٰ علیہ السلام۔

تا بعین اور صحابہ آیت کی تفسیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کرتے ہیں اور متواتر حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں کہ آپ نے خبر دی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی قیامت سے پہلے اِماما عا دلا حکما مقسطا۔

اور ابن کثیر نے دعویٰ کیا ہے احادیث متواتر ہونے کا۔ اور حافظ ابن حجر نے تلخیص الحیر میں اور فتح الباری میں دعویٰ کیا ہے اور جامع ترمذی میں حوالہ کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم دجال کو قتل کریں گے پندرہ صحابیوں کی حدیثوں پر، اور علامہ شوکانی کا ایک رسالہ ہے جس انتیس حدیثوں پر اور

لیلۃ الاسراء کی حدیث میں ہے جیسا کہ درمنثور میں ہے اور بہت سی حدیث کی کتابوں میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور مسند احمد، ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ، ابن جریر اور حاکم، اور اس کی تصحیح کی ہے ذہبی نے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے بعث اور نشور میں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لقیۃ لیلۃ أسری بی ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ الخ۔ ایسے ہی اجماع منعقد ہو گیا ہے۔ اور نقل کیا ابی نے شرح مسلم میں امام مالک سے جو اجماع کے موافق ہے اور جو ابن حزم کی طرف منسوب ہے وہ بھی غلط ہے، ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں: فإنہ لا یختلف اثنان فی تکفیرہ لصحة قیام الحجة بکل هذا علی کل أحد۔ اس کو کافر کہنے میں دو کا بھی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان سب امور کا اثبات سب پر ہو چکا ہے۔

(۲) تواتر کی ایک قسم تواتر طبقہ ہے جیسے کہ تواتر قرآن پاک کا تمام روئے زمین مشرق میں مغرب میں درس اور تلاوت کے ساتھ حفظ و ناظرہ اور تجوید کے ساتھ طبقہ بعد طبقہ ایک جماعت نے دوسری جماعت سے لیا تا آنکہ یہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا، گو اس کی سند معلوم نہ ہو۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس میں سارے مسلمان شریک ہیں۔

(۳) تواتر کی ایک قسم ہے تواتر تعامل تواتر توارث جیسے مسواک اور کلی اور استنشاق کا تواتر۔

(۴) ایک قسم تواتر کی ہے تواتر قدر مشترک جیسا کہ معجزات کا تواتر اگرچہ ایک ایک معجزہ خبر واحد ہی سے ثابت ہو، مگر ان کا مجموعہ قدر مشترک متواتر ہو گیا ہے یعنی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا صدور ہوا، یہ متواتر ہے۔ بعض لوگ تواتر کو گمان کرتے ہیں کہ وہ قلیل ہے حالانکہ ہماری شریعت میں انسان اس کا حصر نہیں کر سکتا، پس جب آپ نے یہ سمجھ لیا ہم کہتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور اس کی فرضیت کا اعتقاد بھی فرض ہے اس کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور نماز کی فرضیت کا انکار کرنا کفر ہے، ایسے ہی مسواک کرنا سنت ہے اعتقاد اس کی سنت کا فرض ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس کا ترک کرنا عتاب ہے یا عقاب۔

(۵) تواتر کی ایک قسم تواتر معنوی بھی ہے۔ تواتر کی کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے۔

مرزا غلام احمد نے تواتر کی تمام اقسام کا انکار کیا ہے اس پر مرزائیوں کے نمائندے نے اعتراض کیا کہ تواتر تو مولویوں کی بنائی ہوئی اصطلاح ہے پھر اس کا منکر کیسے کافر ہو گیا۔ حضرت نے جواباً فرمایا کیا تم اس بات کو مانتے ہو کہ یہ قرآن مجید جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہی ہے جو نبی علیہ السلام پر نازل ہوا، اور ہم تک اسی حالت حفاظت میں چلا آیا، اس حالت حفاظت کا نام تمہارے ہاں کیا ہے؟

پہلے تو مرزائی بہت چکرایا پھر کہنے لگا ہم اس کو تواتر کہتے ہیں، فرمایا یہی تو میں کہہ رہا تھا (مرزا غلام احمد نے تو کفار کے تواتر کو بھی تسلیم کیا ہے)

پھر جو چیزیں تواتر سے ثابت ہوں جیسے ختم نبوت اور نزول عیسیٰ علیہ السلام چنانچہ پہلے گزرا ہم انکار کرنے والے شخص کو بالا جماع کافر کہیں گے۔

اربعین میں غلام احمد نے تمام انبیاء علیہم السلام کے ناموں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے حتیٰ کہ یوں کہا ہے کہ میں محمد بھی ہوں، پس ان کے کلمہ پڑھنے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ محمد رسول اللہ سے غلام احمد کی مراد اپنی ذات ہے، مرزا صاحب نے بہت سے اسماء کا مسکمی بدل دیا ہے اور بہت سے مسکمی کے مصداق کے بدل دئے غرض اسلامی لٹریچر بدل دیا۔

امت کا اجماع ہے کہ اس آدمی کی تکفیر کی جائے گی جو آدمی اس حکم کا جو دین میں بالضرور معلوم ہے انکار کرے، اور اس کی ردت کا حکم کیا جائے پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین قیم تام لائے ہیں کسی کو کوئی حق نہیں کہ آپ پر استدراک کرے، اور آپ کے دین کو آپ کے بعد کامل کرے۔ پس اسلام اور ایمان نسبی نام نہیں کہ اس کے ساتھ چمٹا رہے بلکہ تصدیق اور عمل کا نام ہے۔

(ایثار الحق علی الخلق للمحقق الشیخ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی ص: ۴۱۵)

یہ جان لو کہ اصل میں کفر جان بوجھ کر تکذیب کرنا ہے کسی چیز کی اللہ کی کتابوں سے یا کسی کی اللہ کے رسولوں سے۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی کلمہ کفر کہے باز لا یا لا عبا اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (رد المحتار عن البحر) جیسا کہ خانہ

میں ہے اگر انبیاء کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ نبوت کے وقت اور اس سے قبل انبیاء کو معصوم نہیں جانتا اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ یہ ردِ نصوص ہے۔

جامع الفصولین میں ہے اگر کسی نے کلمہ شہادت علی وجہ العادت کہا تو اسے کچھ نفع نہ دے گا جب تک کہ جو کہا تھا اس سے نہ لوٹے کیونکہ کلمہ شہادت سے اس کا کفر رفع نہیں ہوتا۔

ابن حزم کی کتاب الفصل میں ہے جو چیز بالا جماع ثابت ہو کہ رسول اللہ نے یہ چیز کی تھی پھر کوئی اس کا انکار کرے بالاتفاق اسے کافر کہا جائے گا اور جو آدمی استہزا کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے یا کسی فرشتے سے یا اس کے انبیاء میں سے کسی نبی سے یا قرآن پاک کی کسی آیت سے پس وہ کافر ہے۔

قاضی عیاض کی شفا کی شرح صفحہ ۳۹۳ جلد ۲ میں ملا علی قاری نے فرمایا ہے: أجمع عوام أهل العلم أن من سب النبي صلى الله عليه وسلم يقتل، قال محمد بن سحنون. أجمع العلماء على أن شاتم النبي صلى الله عليه وسلم المستنقص له كافر، ومن شك في كفره كفر.

اگر کسی شخص نے کہا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ بشر ہیں یا فرشتہ، یا جنات میں سے ہیں یا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ عربی ہیں یا عجمی تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں، کیونکہ قرآن پاک کو اس نے جھٹلایا۔

اور حافظ ابن تیمیہ نے کتاب الصارم المسلول ص: ۵۱۹ پر لکھا ہے:

کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ یہ نہیں فرمایا کہ تم: ﴿إِنَّمَا كُنَّا نَخْوِضُ وَنُلْعَبُ﴾ کہنے میں جھوٹے ہو بلکہ ان کے خووض اور لعب پر ان کی تکفیر کی وہ وہ ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔

تاریخ ابن عساکر میں ہے تمیم داری کے ترجمے میں کہ قبر میں سوال ہوگا خاتم الانبیاء کے متعلق۔

قرآن پاک نے ان کا نام رکھا محمد بن، اور حدیث پاک میں اس کو باطنیت سے پکارا اور علماء نے ان کو زندیق کہا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَلْحَدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا﴾ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں: وَكَذَلِكَ الزَّادَةُ الَّذِينَ يَلْحَدُونَ وَقَدْ كَانُوا يَظْهَرُونَ الْإِسْلَامَ.

ابن عباس نے فرمایا: يَضْعَوْنَ الْكَلَامَ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهِ. مرزا غلام احمد نے انبیاء کی توہین اس قدر کی ہے کہ جس کو سن کر جگر شق ہوتا ہے۔ خصوصاً حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اس سے جو کسی کے کندھے پر رکھ کر بدوق چلانا ہو وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی نے کئی جگہ کسی اور کا نام لکھ دیا ہے۔ میرا ایک قصیدہ ہے اس میں شعر ہے:

تفکھ فی عرض النبین کافر

عتل زبیم کان حق مہان

یَلْذَلْهُ بَسْطُ الْمَطَاعِنِ فِيهِمْ
وَيَجْعَلُ نَقْلًا عَنْ لِسَانِ فُلَانٍ
فَشَانِي شَأْنَ الْأَنْبِيَاءِ مُكْفَرٍ
وَمِنْ شَكِّ قُلِّ هَذَا لِأَوَّلِ ثَانٍ

جیسا کہ بہار دانش میں حکایت ہے وہ حکایت بازاری ہے جب اس کو معلوم ہوا جب پتہ چلا وہ یہیں بیٹھا سن رہا ہے تو اس سارے قصے کو خواب بنا دیا۔

وَهَذَا كَمَنْ وَافَى عَدُوًّا يَسْبُوهُ
يَجْمَعُ أَشَدَّ السَّبِّ مِنْ شَتَانٍ
فَصِيرَهُ رُؤْيَا وَقَالَ بآخر
إِذَا نَفْتَحْتَ عَيْنِي مِنَ الْخَفَقَانِ

حضرت شاہ صاحب کا بیان قادیانیوں کے خلاف ہو رہا تھا تو آپ نے دوران تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ مرزا صاحب نے انبیاء علیہم السلام کی توہین کی ہے جو صراحت کفر ہے۔ والہیاذ باللہ

اس پر قادیانیوں کے نمائندے نے کہا کہ آپ کے شیخ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب نے اپنے مرشد کی وفات پر کہا تھا کہ:

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم

اس شعر میں مولانا محمود الحسن صاحب نے صریح توہین حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی کی ہے، پھر آپ ان کو کافر کیوں نہیں کہتے۔ یہ سن کر مولانا مرتضیٰ حسن نے فرمایا کہ یہ حضرت کا شعر نہیں ہے، حضرت شاہ صاحب نے جواب دیا کہ شعر تو حضرت مولانا کا ہے بیچ صاحب لکھو میں جواب دیتا ہوں، حضرت مولانا اس شعر میں اپنے شیخ کے لئے داد مانگ رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں اور میرے شیخ کے کارنامے کو ملاحظہ فرمائیں اور داد دیں جیسے چھوٹے بڑوں سے داد مانگا کرتے ہیں۔ چونکہ آپ تشریف لانے والے ہیں، اسی واسطے آپ ہی سے داد بھی لینا ہے۔

ضروریات دین میں فقط استتباب ہے، فتح الباری میں ہے کہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ایما رجل ارتد عن الإسلام فادعه وإن عاد وإلا فاضرب عنقه۔

روافض کے اکفار میں اختلاف ہے علامہ ابن عابدین شامی عدم تکفیر کی طرف ہیں، اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اکفار کرتے ہیں، ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ اصل میں جو ابتلاء حضرت عبدالعزیز کو پیش آیا وہ علامہ شامی کو پیش نہیں آیا، مسئلہ کا اختلاف نہیں ابتلاء کا ہے۔ ویسے ہمارے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علامہ شامی سے فقیہ ہیں اور حضرت گنگوہی کو بھی ہم نے شامی سے فقیہ النفس پایا۔

ایک دفعہ فرمایا یہ جو حدیث میں آیا ہے: من قام ليلة القدر

إيماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه۔ (بخاری) اس کی شرح کے وقت مسند احمد کی یہ روایت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے: من هم بحسنه كتب له عشر حسنات إذا شعر به قلبه وحرص به۔ یہ اشعار قلب اور حرص ثواب ہی میرے نزدیک احتساب ہے جو نفس نیت پر ایک امر زائد ہے، نیت پر بھی ثواب ملتا ہے اور احتساب پر ثواب مضاعف ہو جاتا ہے گویا احتساب نیت کا استحضار ہے، فرمایا: او کسبت فی ایمانہا خیراً۔ میں ادب معنی واو ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں یہی لکھا ہے اور ابو داؤد کی روایت میں تو وہی آیا ہے۔

معتزلہ نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے: لا ینفع ایمانہا لم تکن آمنت من قبل أو آمنت ولم تکن فی ایمانہا خیراً۔ تاکہ مقابلہ صحیح ہو سکے، اس کا جواب کلیات میں ابی البقاء نے بھی دیا ہے، ابن حاجب نے بھی جواب دیا ہے اور حاشیہ کشاف میں علامہ طیبی اور ناصر الدین نے ذکر کیا ہے اور ابن ہشام نے مغنی میں بھی ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک یہاں ”او“ دو چیزوں میں منافات کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصد ایمان اور کسب خیر دونوں کی نفی ہے۔

فرمایا حضرت حکیم بن حزام سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام سے پہلے جو طاعات میں نے کی ہیں ان سے کچھ فائدہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا:

أصلحت علي ما أسلفت من خير. تم اپنے سابق اعمال خیر کے ساتھ تو مسلمان ہوئے ہو یعنی اسلام کی برکت سے تمہارے وہ اعمال خیر بھی قائم رہے اور اس وقت کی طاعات بھی نیکیاں بن گئیں۔

فرمایا مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ کفار کی طاعات و قربات ضرور نفع پہنچاتی ہیں کیونکہ ان میں نیت اور معرفت خداوندی ضروری نہیں۔ طاعات و قربات سے مراد صلہ رحمی، تحلل، بردباری، غلام آزاد کرنا، صدقہ، رحم و کرم، جواں مردی، بخش دینا، عدل و انصاف ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ کفار کے اعمال خیر بغیر اسلام کے نجات اخروی کا سبب نہیں بن سکتے۔ نہ وہاں کے ثواب و نعمت کا مستحق بنائیں گے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے تخفیف عذاب کا سبب بن سکیں گے، اسی لئے علماء نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ عادل کافر کے عذاب میں بہ نسبت کافر ظالم کے تخفیف ہوگی۔ چنانچہ ابو طالب نے جو خدمات انجام دی تھیں ان کا فائدہ صراحتاً احادیث میں مذکور ہے۔

فرمایا یہ جو حدیث ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أحسن أحدكم إسلامه فكل حسنة يعلمها تكتب له بمثلها. (بخاری)

میرے نزدیک احسان اسلام یہ ہے کہ دل سے اسلام لائے اور

زمانہ کفر کے تمام برے اعمال سے توبہ کرے، اور اسلام کے بعد ان سے بچنے کا عزم مصمم کرے۔ ایسے شخص کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

اور اساءة اسلام یہ ہے کہ اسلام لائے مگر زمانہ کفر کے تمام معاصی سے توبہ نہ کرے اور ان کا ارتکاب برابر کرتا رہے، ایسا شخص اگرچہ اسلام میں داخل ہو گیا اس سے تمام اگلے پچھلے معاصی کا مواخذہ ہوگا، پس جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اسلام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اس سے مراد وہی صورت ہے کہ گناہوں سے توبہ بھی شامل ہو (من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه)۔



ایک دفعہ غالباً ۱۳۲۸ھ بیرون کا موسم تھا، اور احقر دیوبند حاضر ہوا حضرت شاہ صاحب بھی ڈابھیل سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت صحن میں چار پائی پر تشریف فرما تھے، مولانا مشیت اللہ صاحب اور بہت سے مہمان بیٹھے تھے۔ کمال مہربانی فرمائی، ہمیں دیکھتے ہی چار پائی سے اٹھ کر ننگے ہی پاؤں ہماری طرف تشریف لائے اور مصافحہ فرمایا، پھر مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری کے پاس تشریف فرما ہوئے اور ان کو پیر کا چھلکا اتار کر عنایت فرما رہے تھے، ایک طبق ہماری طرف بھی رکھ دیا اور ایک طالب علم کو فرمایا کہ ان کو چھیل کر کھلاؤ، اور دوسرے طالب علم کو جیب مبارک سے ایک روپیہ نکال کر دیا اور فرمایا کہ بکری کا عمدہ گوشت بازار سے لاؤ پھر گھر کے اندر

تشریف لے گئے۔

مولوی محفوظ علی صاحب فرماتے تھے کہ گھر میں حضرت فرما رہے تھے کہ بہت معزز مہمان آئے ہیں کھانا عمدہ پکائیو، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ دو ٹوکریں باقر خانیوں کے لے آئے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی، اگر کوئی شے لانا ہی ہو تو بھیری چیز لے آیا کرو، میرے ہاں محبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، بہت تھوڑی چیز لانا چاہیے۔

پھر فصل الخطاب کے متعلق میں نے تذکرہ شروع کر دیا کہ ایک صاحب نے اس کا جواب لکھا ہے بڑی ہی تعلیٰ دکھائی ہے۔ فرمایا جب عناد پر کوئی اتر آئے تو اس کا کیا علاج ہے۔ عصر کے وقت مولانا مشیت اللہ چلے گئے ہم سب نماز کے لئے قریب والی مسجد میں چلے گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے خود امامت کرائی اسی طرح سب نمازیوں میں خود ہی امام بنے، اللہ تعالیٰ نے حضرت کی اقتداء میں کئی نمازیں نصیب کر دیں۔

دوسرے دن بعد نماز فجر ہی ہمیں بلایا، اور بڑی شفقت فرمائی، میں نے بعض عبارت فصل الخطاب کا مطلب پوچھا نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے جواب عنایت فرماتے رہے، اس پر بڑے خوش ہوئے کہ اس کو کتاب پر نظر ہے۔ پھر فرمایا اب ذرا لیٹ جائیے یہ کمبل ہیں ان کو نیچے بچھا لیجئے، خود اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائے ہم نے متبرک سمجھ کر تکلیف کے نیچے رکھ لئے پھر دو پہر کو کھانا پر تکلف بھیجا، مولانا محفوظ علی اور

مولانا محمد اور لیس سیکر وڈوی اور کئی ایک مہمانوں نے مل کر کھانا کھایا۔

پھر بعد ظہر میں نے عرض کیا کہ ساتھی کو بیعت فرمائیں نہایت شفقت سے قبول فرمایا، اور دروازہ تسبیح چشتیہ کا ذکر تلقین فرمایا پھر احقر نے دو تعویذوں کے لئے عرض کیا کہ نظر کا تعویذ ایک میرے بچے کے لئے اور ان کے بچے کے لئے درکار ہے۔ فرمایا میری تو دوات تعویذ کے قابل نہیں رہی۔ خشک سیاہی پانی ڈالنے سے بھیسکی ہو جائے گی اور پرانی بودا اس سے تعویذ نہیں لکھنا چاہیے، عرض کیا کہ تعویذ تو حضرت سے لکھوانا ہے پھر دوات میں سیاہی نئی ڈالوائی اور تعویذات لکھ کر ہمارے حوالے کئے فرماتے تھے خود ہی لکھ لینا۔ اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَكُلِّ عَيْنٍ لَامِئَةٍ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس پر یہ الفاظ بھی زیادہ کرے: حصنتک بحسن الف الف۔ احقر نے عرض کیا کہ حضرت ہی تحریر فرمادیں پھر بڑی عنایت ہوئی۔

جب شام کی گاڑی سے ہم واپس ہونے لگے تو فرمانے لگے اگر کوئی اور گنجائش ہو تو اور ٹھہر جاؤ، احقر نے عرض کیا کل کو رخصت لے لیں گے، پھر اگلے دن صبح کو مجلس ہوئی، جب رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ آپ کی مہمانی کا تفقہ نہیں ہو سکا۔ کچھ خیال نہ کرنا میں بھی علیل ہوں مجھے بہت رقت ہوئی کہ اتنی شفقت پر بھی یہ عذر۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ

مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس کے تاثرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے فرمایا کہ میں بحر علم و عمل، قدوة الحمد شین زبدۃ المدققین حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ کے متعلق کچھ یادداشت قلم بند کروں، مگر آپ کو معلوم ہے کہ بیماری کی وجہ سے میرا حافظہ باقی نہیں رہا۔ صرف ایک دو باتیں بالمعنی عرض کرتا ہوں۔

جب کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیوبند میں تھے اس وقت میں تھانہ بھون گیا ہوا تھا، وہاں سے فارغ ہو کر دیوبند آیا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اس وقت اوپر والے کمرے میں تھے۔ جو دارالنصیر کے قریب ہے اتفاق سے اکیلے تھے میں ملا اور مؤدبانہ ملاقات کے بعد بہت سی باتیں ہوئیں، بعد میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنی کتاب فصل الخطاب دی اور فرمایا کہ اس کو دیکھنا، پھر فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ کتاب طلباء کو مفت دی مگر بعض طلباء نے بازار میں چار آنہ میں بیچ دی، مفت کی یہ قدر کی۔ پھر فرمایا کہ میرے دل میں مضامین ایلٹے اور جوش مارتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان کو بذریعہ تحریر ظاہر کروں مگر افسوس کہ میں تحریر میں کوتاہ قلم ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسرا آدمی قابل تیز قلم ہر وقت میرے پاس رہے جب وہ مضامین جوش ماریں تو میں لکھوا دیا کروں، افسوس کہ ایسا آدمی نہیں

ملا، جو ملتا ہے وہ قابل نہیں ہوتا، اور جو قابل ہوتا ہے فراغت نہیں نکالتا۔

جب حضرت شاہ صاحب ڈابھیل چلے گئے اس کے بعد ایک وقت دیوبند آئے ہوئے تھے۔ غالباً رمضان المبارک میں یا عید الاضحیٰ کے بعد بندہ معہ چند رفقاء تھانہ بھون گیا ہوا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہم سب دیوبند آئے، غالباً مولوی محمد رمضان صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب رائے پوری وغیرہ بھی ساتھ تھے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی زیارت کے لئے گھر پر حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو مرض کی وجہ سے کچھ ضعف ہو رہا تھا مگر شفقت بزرگانہ سے ساتھ بیٹھے اور افادیت سے مستمتع کیا۔

میں نے ایک عبارت مفتی ابن قدامہ کی پوچھی فرمایا وہ ابن قدامہ کی مفتی جو مطبوعہ ہے وہ غلط ہے۔ صحیح نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں ہے میں جب عرب گیا تھا تو مکہ مکرمہ میں اس کا مطالعہ کیا تھا اس مسئلہ کے متعلق عبارت نقل کر لی تھی، چنانچہ باوجود ضعف کے اٹھے اور اندر سے دو تین ورق لائے اور عبارت پڑھی میں نے وہ عبارت نقل کی (افسوس کہ وہ عبارت ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں جالندھر کے کتب خانہ میں رہ گئی)

میں اس وقت اپنا رسالہ ”خیر الکلام فی ترک الفاتحہ خلف الامام“ لکھ رہا تھا چنانچہ اس کے اٹھائیس صفحے تیار ہوئے تھے، میں نے پہلے تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدس سرہ ہم کو سنائے حضرت والا نے میری حوصلہ افزائی کے لئے دس روپے بطور انعام دیئے۔ یعنی اس رسالہ کے دو چار ورق سنائے حضرت

شاہ صاحب قدس سرہ نے بھی پسند فرمائے تو میں نے سوال کیا کہ آپ نے غیر مقلد کا رسالہ ”الکتاب المستطاب“ دیکھا یا نہیں؟ فرمایا کہ میں جہلاء حقہاء کی کتابیں نہیں دیکھا کرتا، میں نے عرض کیا کہ میں اس واسطے پوچھتا ہوں کہ میں آج کل اس کا جواب لکھ رہا ہوں، اور اس میں بعض باتیں قابل استفسار ہوتی ہیں۔

فرمایا جوابات قابل استفسار ہوا کرے تو اس کو آپ اپنی طرف نسبت کیا کریں، میں جواب دوں گا، اگر کسی شخص کی طرف نسبت ہوئی تو میں جواب نہیں دوں گا۔

پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے سند حدیث دیجئے، اور اطراف کتب حدیث سن لیجئے، فرمایا کہ میں آپ کو بلا سنے سند دیتا ہوں، اور اجازت دیتا ہوں میرا آپ پر اعتماد ہے اگر سند مطبوعہ میرے پاس ہوتی تو آپ کو اس وقت دے دیتا جب میں ڈائجیل پہنچوں تو مجھے یاد دلانا میں مطبوعہ سند بھیج دوں گا۔

بندہ خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

(۲۸ / جمادی الاخریٰ ۱۳۸۳ھ)

☆☆☆

۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام فلپائن دیوبند تشریف لائے ان کی آمد پر جلسہ ہوا حضرت شیخ الہند نے بھی شرکت فرمائی۔ حضرت شاہ صاحب نے طلباء اور اساتذہ کے مجمع میں جو تقریر فرمائی وہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمہ اللہ علیہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زبان سنئے، آپ القاسم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ اور محرم ۱۳۳۲ھ میں فرماتے ہیں:

اس کے بعد جناب مولانا سید محمد انور شاہ صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے نہایت فصیح بلیغ عربی زبان میں بر جتہ تقریر فرمائی مولانا موصوف کے فضل و کمال علمی اور فصاحت و بلاغت سے اکثر حضرات واقف ہیں، مولانا کی تقریر ایک جانب اگر باعتبار زبان دانی اور فصاحت روانی کے بے مثل تھی تو دوسری جانب ایسے مضامین اور حقائق اصول دین و نکات علم کلام و حدیث پر حاوی تھی جو کم کسی نے سنی ہوگی، حضرت شیخ الاسلام موصوف بھی آپ کی تقریر و مضامین پر محو حیرت تھے، نہایت غور کے ساتھ ہمہ تن گوش بنے ہوئے متوجہ تھے اور استحسان و تسلیم کے ساتھ گردن ہلاتے تھے، مولانا نے جو مضامین بیان فرمائے، وہ حقیقت میں ایسے تھے کہ دوسرا شخص گو کتنا ہی وسیع النظر اور قادر علی الکلام ہو متعدد مجالس میں بھی ادا نہ کر سکتا تھا، مگر آپ کا دوسرا کمال یہ تھا کہ ان ہی مضامین دقیقہ کو نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں بہت تھوڑے سے وقت کے اندر اس طرح بیان کر دیا کہ نہ فہم مضامین میں خلل واقع ہوا نہ کوئی ضروری بات و فرو گذاشت ہوئی نہ بے ضرورت زائد از

حاجت ایک جملہ زبان سے نکلا۔ اس میں بھی ذرا شک نہیں کہ اگر ہفتوں سوچ کر اور عبارت کو مہذب منہج بنا کر کوئی شخص لکھتا اور یاد کر کے سناتا تو ایسی سلامت و روانی کے ساتھ نہ پڑھتا اور ایسی واضح و برجستہ تقریر نہ کر سکتا۔
ذکر فضل اللہ یوحیہ من یشاء۔

(شیخ الاسلام فلیپائن نے جوابی تقریر میں یہ بھی فرمایا) اور ابھی مجھ کو استاد جلیل (مولانا سید محمد انور شاہ صاحب) نے اس مدرسہ کے مؤسس اور بانی کے اصول دربارہ اشاعت علوم تائید دین سمجھائے ہیں تو مجھ کو معلوم ہو گیا کہ اس جگہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کی تعلیم دی جاتی ہے، اور یہی طریقہ میرے نزدیک اہل سنت والجماعت کا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے قبیح ہیں اور طریقہ سنت کی تائید اور مبتدعین کا رد بھی عین سنت اور فرائض علماء میں داخل ہے۔

اور آخر میں قسم کھا کر فرمایا آج استاد جلیل (مولانا محمد انور شاہ صاحب) کے ذریعے سے حقائق اور معارف علوم دین کے ایسے بے بہا موتی میرے کان میں پڑے جو آج تک کبھی نہ سنے تھے اور یہ مجلس ہمیشہ یاد رہے گی۔

☆..... ایک دفعہ لاہور آسٹریلیا مسجد حوض کی چھت پر چار پائی پر تشریف فرما تھے۔ احقر نے دریافت کیا کہ کیا لفظ فیہ کا صلہ فاء بھی آتا ہے؟ فوراً فرمایا کہ شرح الفیہ میں اشمونی نے لکھا ہے کہ جائز ہے۔ اور استدلال

میں آیت پیش کی: ﴿فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ﴾ (الآیہ) اور بھی بلغاء کے ہاں یہ استعمال ہوا ہے، پھر احقر نے تلاش کیا تو مختصر المعانی ص: ۴۰: ثم لما وفقت بعون الله وتأييده للاثمام إلخ فجاء بحمد الله كما يروى النواظر۔ نیز تفسیر ابن کثیر جلد: ۱، ص: ۹۳ مصری اور ملا عصام نے اس پر بحث نہیں کی اور اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

احقر نے عرض کیا کہ ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ ذوقی اضافت مضمحل کی طرف جائز نہیں ہے۔ فوراً فرمایا کہ مسلم شریف کے خطبہ ہی میں ہے: مثل ابی ہریرۃ ابن عمر وذویہما۔ ص: ۲۳ مسلم میں آخری سطر، میں نے جستجو کی تو بہت سی کتابوں میں یہ مل گیا۔

مختصر المعانی ص: ۱۸ مطبوعہ مجتہبائی دہلی: لسلم من الفصل بین الحال وذیہما بالاجنبی۔ جادلتم خاصتم عنہم عن طعمۃ وذویہ۔ جلالین ص: ۸۶ مطبوعہ نور محمد کراچی۔

مقامات حریری ص: ۱۰۱ میں ہے: فجاءت بابن یسر ذویہ (وغیرہ من الکتب)

ایک صاحب نے اجتماع کا صلہ مع آنا نا جائز لکھا ہے اور درۃ النواص کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ جوہری نے اس کا رد کیا ہے اور صحاح جوہری میں ہے: جامعہ علی کذا ای اجتماع معہ۔ مسلم شریف میں بھی ۵۲ پر فرماتے ہیں: ولم یذکر قدوم ابن المسعود واجتماع ابن عمر معہ۔ اور ابن عقیل شرح الفیہ مصری ص: ۸۴ میں ہے: أن يقع ظرفا لما

اجتمع معه. شرح ملا جامی ص: ۵۶: لا يجتمع مع اللام والإضافة.
تذکرہ الحفظ ص: ۱۸۴ ج: ۳: رأيت يوما اجتماع مع الدار قطنی. تفسیر
ابن کثیر ج: ۱، ص: ۴۴۹: اجتمع معه. و ص: ۴۰۸: ان يجتمعا مع
الاولاد الي غير ذلك من العبارات.

☆..... فرمایا کہ ابن سینا نے روح کی تحقیق پر ایک قصیدہ لکھا اور اپنی
حیرت کا اظہار کیا، پھر روح ہی کی تحقیق پر حضرت شاہ رفیع الدین محدث
دہلوی نے بھی ایک قصیدہ لکھا جو بلیغ بھی اور تحقیقی بھی ہے۔ فرمایا کہ شاہ
صاحب جب روحانی آدمی تھے اس میں علم کو مضاف استعمال کیا ہے۔ اس پر
اعتراض ہوا کہ علم کو مضاف تو استعمال نہیں کیا جاتا، یہ محاورہ عرب کے خلاف
ہے، پھر یہ معاملہ صاحب فتح الیمن تک پہنچا تو اس نے کہا علم کو مضاف وہی
استعمال کر سکتا ہے جو لغات عرب پر عبور تام رکھتا ہو، یہ کوئی بڑا ادیب ہے جس
کا یہ کلام ہے تو اعتراض کرنے والوں کو تسلی ہوئی۔

☆..... احقر مارچ ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ دیوبند حاضر ہوا اس
وقت حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں مولانا محمد ادریس سیکروڈوی بھی
حاضر تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ فصل الخطاب کی اس عبارت کا کیا
مطلب ہے؟ مگر مولانا حل نہ کر سکے، پھر حضرت شاہ صاحب نے اذکار
داوراد سے فارغ ہو کر ہمیں اندر بلا لیا، میں نے پھر وہی عبارت پیش کی۔

فرمایا: فلا تفعلوا إلا بام القرآن، میں کلمہ استثناء کے بعد تعین
فاتحہ کرنا شارح کو منظور ہے، یہ نہیں کہ تعین فاعل بیان کرنا مقصود ہے پس لا
تفعلوا إلا أن تفعلوا بام القرآن میں ناظرین پر ملتبس ہو گیا کہ الا ان
تفعلوا جو کلمہ ام القرآن سے قبل مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر جو واو ہے اس
کو پیش نظر رکھا گیا ہے، حالانکہ مقصود ام القرآن کی تعین ہے گویا یہ فرمانا
چاہتے ہیں کہ فاتحہ مقتدی سے بطور لزوم پڑھانا مقصود نہیں، اگر کوئی پڑھے تو
اباحۃ مرجوحہ موجود ہے۔

فصل الخطاب ص: ۲۷ کی اصل عبارت یہ ہے:

ويحتمل أن يكون لفظ محمد بن إسحاق من أوله إلى
آخره مسألة وجوب الفاتحة في الصلاة قصدا مع الإباحة
للمقتدى تبعاً، وليس التعليل لعموم الفاعل وهو الضمير في
إلا أن تفعلوا المقدر بل لتعيين المفعول به إياها وهو قوله:
إلا بام القرآن، وهما أمران. فالمطلوب ذات الفاتحة
ووجودها على شاكلة فرض الكفاية لا عمل كل واحد
لزوماً، فإن فعل من شاء منهم فهو في حد الإباحة المرجوحة،
والتبس على الناظرين تعيين المفعول به بتعميم الفاعل
لزوماً.

غرض حضرت شاہ صاحب کے تقریر فرمانے کے بعد بندہ کا تو شرح
صدر ہو گیا اور بات سمجھ میں آ گئی۔

ادھر ایک صاحب نے اعتراض کیا وہ جلدی میں سمجھنے سے قاصر رہے کہ شاہ صاحب لفظ **أَنْ تَفْعَلُوا** جو **إِلَّا** کے بعد مقدر ہے اس سے بحث کر رہے ہیں تقدیر عبارت یوں ہے: **لَا تَفْعَلُوا إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا**۔ چنانچہ حدیث مرفوعہ میں اسی طرح ارشاد ہے: **قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا أَنْ يَقْرَأَ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي نَفْسِهِ**۔ یہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا نور شاہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ **لَا تَفْعَلُوا** میں ضمیر مقدر ہے یا بارز۔ دیکھیے غور نہ کرنے سے مطلب کیا سے کیا بن گیا کسی نے خوب کہا ہے:

چو بشتوی سخن اہل دل گو کہ خطا است

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

وهو الضمير في **لَا تَفْعَلُوا الْبَارِءُ**۔ حضرت شاہ صاحب

فرما رہے ہیں: **هُوَ الضَّمِيرُ فِي **لَا تَفْعَلُوا** الْمَقْدَرُ**۔

اول تو جناب نے لفظ ہی بدل دیا **إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا** کی جگہ **لَا تَفْعَلُوا** انہی کا صیغہ لکھ مارا، پھر یہ بھی خیال نہ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے مقدر ضمیر کو نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ **أَنْ تَفْعَلُوا** جو کہ مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر واک کی تعظیم مقصود نہیں، چنانچہ اس سے صریح عبارت فصل الخطاب ص: ۶۸ میں یہ ہے:

أَيُّ أَنْ قَوْلُهُ: فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا لَيْسَ تَعْلِيلًا

لِمَعْنَى الْفَاعِلِ فِي **إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا**، بَلْ لَتَعْيِينِ أَنْ الْمَقْرُوءِ إِنْ كَانَ فَهُوَ الْفَاتِحَةُ لَا غَيْرَهَا وَهُوَ الْمُنَاسِبُ، اَنْتَهَى۔

اب ناظرین غور فرما سکتے ہیں کہ معترض کو عبارت سمجھنے کا سلیقہ نہیں۔ **نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا**۔ اسی طرح اور بھی کچھ اعتراضات کئے جس کے تحقیقی جوابات ہم نے دوسری جگہ دیئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے درس میں بعض اوقات غرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔

☆..... ایک دفعہ فرمایا کہ ایک مغفل کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے لگا جب اترنے لگا تو طریقہ بھول گیا، ایک اور مغفل بھی آگیا اس نے رسہ طویل نیچے سے اس کی طرف پھینکا کہ اس کو اپنے بدن کے ساتھ باندھ لے میں تجھے نیچے کھینچ لوں گا، نیچے کھینچا تو بیچارہ گر کر مر گیا، لوگوں نے اس کو پکڑا، یہ تو نے کیا کیا بے چارے کی جان بھی گئی، جواب دیا کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو کنوئیں سے اسی طریقہ سے اوپر کھینچ لیا تھا اسی پر قیاس کر کے میں نے سمجھا۔

چندہ گز بہ بالا چندہ گز بزیر

☆..... فرمایا حضرت علامہ ابن جریر طبری درس حدیث دے رہے تھے کوئی رئیس آیا اور حضرت کی خدمت میں اشرفیوں کی تحویل پیش کی اور رکھ کر

جانے لگا ابن جریر رحمہ اللہ نے اٹھا کر تھیلی کو پھینک دیا، تھیلی پھٹ کر دینار ادھر ادھر بکھر گئے اور رئیس ان کے پیچھے دوڑنے لگا اور جمع کرنے لگا حضرت ابن جریر فرمانے لگے جب تو نے یہ اشرفیاں مجھے دے دی تھیں تو اب تم کس لئے جمع کرتے ہو؟ اب تو تمہاری ملک رہی نہیں بچ ہے دنیا کی حرص بری چیز ہے۔

☆..... فرمایا ایک دفعہ میں اور مولانا اصغر حسین صاحب مدرسہ دیوبند کے لئے چندہ کی غرض سے سورت گئے، میزبان نے کچھ کھانا لا کر رکھا، ہم کھانے لگے میں نے خیال کیا کہ اور تو شاید آئے گا نہیں اسی میں گزارہ کر لیا، تھوڑی دیر میں اور کھانا بھی لے آئے، مولانا اصغر حسین صاحب فرمانے لگے کہ تو کیوں نہیں کھاتا؟ میں نے کہا مجھے تو یاس کلی ہو چکی تھی اب کھانا اور نہیں آئے گا، لہذا میں نے اسی میں گزارہ کر لیا اس ”یاس کلی“ پر بہت مسکراتے تھے۔

☆..... إنما الأعمال بالنیات وإنما لامرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو امرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه. (بخاری وغیرہ)

فرمایا یہاں تین چیزیں ہیں (۱) عمل، (۲) نیت اور (۳) غایت۔ پہلی کی طرف اشارہ فرمایا: فمن كانت هجرته، عمل کی طرف اشارہ

کر دیا۔ اور ثانی کی طرف اشارہ فرما دیا: إلى الله ورسوله، پس إلى الله یہ نیت ہے۔ تیسری چیز کی طرف اشارہ فرما دیا: فهجرته إلى الله ورسوله۔ پس وہ غایت ہے ایسا ہی جملہ ثانیہ میں ہے۔

☆..... فرمایا لفظ مسیح ماشح کا معرب ہے، اس کے معنی عبرانی زبان میں مبارک، اور لفظ عیسیٰ ایشوع سے لیا گیا ہے اس کے معنی مخلص، اور فارقلیط کا جو لفظ انجیل میں آیا ہے اس کے معنی محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ہیں، جب مراد اس سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول انبیاء کی تصدیق عملی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی منتظر باقی نہیں ہے کیونکہ ان کے واپس تشریف لانے سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء کی تعداد چونکہ ختم ہو گئی اس لئے پہلے انبیاء میں سے لایا گیا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت ہے اس لئے ان ہی کا انتخاب ہوا، جس نبی نے صراحتاً بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی دی وہی آ کر تصدیق بھی فرمائیں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہوں گے۔

☆..... لاہور میں خدام الدین کے جلسے پر بہت سے علماء جمع تھے، حضرت مولانا مدنی بھی تشریف فرما تھے مولانا سید محمد طلحہ صاحب بھی تھے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اساتذہ کی روایت ہے کہ جب سلطان

عالمگیر نے فتاویٰ مرتب کرایا تو علماء رات کے وقت بعد نماز تہجد جو مسائل روزانہ لکھے جاتے سنایا کرتے تھے۔ اور جب کسی مسئلہ میں علماء الجھ جاتے تو سلطان عالمگیر جو کہتے تھے وہی مسئلہ پاس ہو کر تحریر ہوتا تھا، یہ اس کے وفور علم اور تقویٰ کی دلیل ہے۔

یوم عاشوراء کی تاریخ کی تحقیق

(القاسم جلد ۳، دیوبند ماہ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ)

عالی جناب صوبیدار صاحب کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ جملہ فقہاء محدثین کے نزدیک یوم عاشوراء دسویں محرم ہے، لیکن روایات حدیث اور حساب دونوں اس کے خلاف ثابت ہے۔

احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس روز مدینہ منورہ تشریف لائے یہود مدنیہ کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ ان سے وجہ روزہ کی دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا یہ دن بہت مبارک ہے اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن یعنی فرعون سے نجات دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس روز روزہ رکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تو بہ نسبت تمہارے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰ کا اتباع کریں، تب آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی کو حکم دیا، اور یہ مسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ تشریف لانا ۸ ربیع الاول کو ہوا، اور ۸ ربیع الاول مطابق ہوتی ہے ۲۰

ستمبر ۶۶۲ عیسوی کے اور ۲۰ ستمبر ۶۶۲ء مطابق ہوتی ہے وہم تشرین کے، ان دونوں مقدموں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یوم عاشوراء جس کے روزے کا مسلمانوں کو جو بایا استحسانا حکم دیا گیا ہے وہم تشرین ہوتی ہے۔ فقہاء کا صوم عاشوراء کے لئے دسویں محرم کو متعین کر لینا ظاہراً غلط معلوم ہوتا ہے کسی حساب سے ۲۰ ستمبر ۶۶۲ء دسویں محرم کے مطابق نہیں ہوتی۔

مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ و تابعین فقہاء و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ عاشوراء دسویں محرم ہے، اس میں ایک کو بھی اختلاف نہیں ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بدیں تفصیل مروی ہے ”حکم بن الاعرج کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا کہ عاشوراء کا روزہ کس روز رکھوں؟ فرمایا کہ جب تم ہلال محرم کو دیکھو تو شمار کرتے رہو جب نویں تاریخ ہو روزہ رکھو، میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح روزے رکھتے تھے؟ فرمایا: ہاں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یوم عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ ہے، رہا نویں تاریخ کا روزہ یہ اس بناء پر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نویں محرم کے روزہ کو دسویں کے ساتھ ملانا چاہتے تھے، اس کے خلاف صرف ایک روایت کی بناء پر بظاہر اشکال واقع کیا گیا جو ابن عباس سے مروی ہے کہ قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدينة فرأى اليهود تصوم عاشوراء (الحديث)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو

یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ لیکن درحقیقت یہ اشکال واقع نہیں ہوتا، کیونکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس روز مدینہ میں تشریف لائے اسی روز یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا، بلکہ روایت کا یہ مطلب ہے کہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اول مرتبہ جب محرم آیات آپ نے دسویں تاریخ یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا۔

اور صاحب ”نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام“ کی یہ روایت کہ یوم قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء تھا، کسی طرح حجت نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ روایت صحیح روایات کے خلاف ہے اس کے نقل و سیاق میں ضرور تخلیط واقع ہوئی ہے، اور اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ دن عاشوراء مسلمین کا دن تھا، بلکہ یہود کے بعض فرقوں نے یوم عاشوراء کو جو قمری مہینے کے حساب سے ہوتا تھا شمسی مہینے میں لے کر اس دن اور تاریخ کو بدل دیا تھا، پس ممکن ہے کہ ان بعض یہود کے حساب سے عاشوراء کا دن ہونہ کہ مسلمانوں اور اکثر یہود کا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی قابل اعتماد روایت سے یہ امر ثابت نہیں کہ آپ کے تشریف لانے کا دن عاشوراء کا دن تھا، اور سارے اشکال کی بنیاد صرف اتنی ہی بات پر تھی، پوری تحقیق اور تفصیل مولانا کے کلام میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد بے حد مر جی قیوم را کہ تصرف ازمان و اکوان در حیطہ قدرت

اوست، و تشریف چیزے بر چیزے بمقتضائے ”کل یوم ہونی شان“ آیت کبریا و عظمت او۔ درود نامحدود بر سید موجودات و سرور کائنات کہ سنت غرا وے حجت بیضاء است، و طلعت سعید وے عید سنہ شہباء، دین متین وے غرہ جمین سعداء و قرء عیون کملاء، و بر آن واصحاب وے و جملہ اتباع و احباب وے۔

اما بعد، اس سطرے باقتضاء حال در حل بعض اشکال متعلق تاریخ یوم عاشوراء در سبک تحریر کشیدہ شد و مرام ازاں محض تحقیق مقام است لا غیر، و بخدا توفیق۔

باید دانست کہ یوم عاشوراء بمقتضائے احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و اتفاق امت مرحومہ یوم عاشوراء از محرم الحرام حسب روایت ہلال است۔

قال فی عمدة القاری: وهو مذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعین ومن بعدهم، اھ۔

وقال الزرقانی: وقال القاضی والنووی: الذی تدل علیہ الأحادیث کلھا أنه العاشر وهو مقتضى اللفظ، اھ۔

و در جامع ترمذی: عن الحسن عن ابن عباس روایت کر وہ قال: أمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصوم یوم عاشوراء الیوم العاشر، اھ۔

وقال فی عمدة القاری: ومنها ما رواه البزار من

حدیث عائشة بلفظ: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمر بصیام عاشوراء یوم العاشر، ورجاله رجال الصحیح، اھ۔

وحدیث صحیح مسلم عن الحکم ابن الأعرج قال: انتهیت إلی ابن عباس وهو متوسد رداءه فی زمزم، فقلت: أخبرنی عن یوم عاشوراء ای یوم أصومه؟ فقال: إذا رأیت هلال المحرم فأعدد، ثم أصبح من الیوم التاسع صائماً، قلت: أھکذا؟ کان یصومه محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال: نعم، اھ۔

پس جواب بر اسلوب حکیم است، یعنی در تعیین عاشورا بچگونہ خفا نیست کہ عاشر محرم الحرام است، آرے قابل لحاظ ایں امر است کہ تاسع نیز در صوم عاشر ضم باید کرد و در قول وے، اھکذا یصومه محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال: نعم، اھ۔

ہم اسلوب حکیم است کہ تمنائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را کہ اگر تا عام قابل زندہ مانند تاسع را ہم با عاشر در صوم ضم کنند نازل بمنزل فعل آنحضرت داشتہ چنانکہ سیاق طحاوی بریں معنی دلالت کند۔

قلت لابن عباس: أخبرنی عن یوم عاشوراء، قال: عن ای بالہ تسأل؟ قلت: أسأل عن صیامه ای یوم أصوم؟ قال: إذا أصبحت من تاسعة فأصبح صائماً، الحدیث۔

قال فی عمدة القاری: فإن قلت: هذا الحدیث

الصحیح یقتضی بظاہره أن عاشوراء هو التاسع، قلت: أراد ابن عباس من قوله: فإذا أصبحت من تاسعة فأصبح صائماً، ای ضم التاسع مع العاشر بقوله: نعم، ما روى من عزمه صلی اللہ علیہ وسلم علی صوم التاسع من قوله: لأصوم من التاسع، وقال القاضی: ولعل ذلك علی طریق الجمع مع العاشر، لئلا یشتبه بالیہود، كما ورد فی روایة أخرى: فصوموا التاسع والعاشر. وذكر رزین هذه الروایة عن عطاء عنه، وقيل: معنی قول ابن عباس: نعم: ای نعم یصوم التاسع لو عاش إلی العام المقبل. وقال أبو عمرو: هذا دلیل علی أنه صلی اللہ علیہ وسلم کان یصوم العاشر إلی أن مات، ولم یزل یصومه حتی قدم المدینة، وذلك محفوظ من حدیث ابن عباس، اھ۔

وقال فی فتح الباری: ثم ما هم به من صوم التاسع یحتمل معناه أنه لا یقتصر علیہ بل یضیفه إلی الیوم العاشر إما احتیاطاً له وإما مخالفة للیہود والنصارى وهو أرجح، وبه یشعر بعض روایات مسلم: ولأحمد من وجه آخر عن ابن عباس مرفوعاً: صوموا عاشوراء وخالفوا الیہود صوما قبلہ أو یوما بعده. ونحو آن نزد طحاوی ہم است وابن عباس خودش بر صوم دوم یوم عامل بودہ۔

قال في عمدة القاري: روى عن ابن عباس أنه كان يصوم
اليومين خوفاً أن يفوته، وكان يصومه في السفر.

پس باشد که ابن عباس در صوم تاسع مع عاشر رعایت عزم نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم و رعایت خوف فوت عاشر بحسب اختلاف رویت ہلال ہر دو
نمودہ باشد، چه در فوائد تراجم نیست، و معلوم است کہ جواب بر اسلوب حکیم
طریقہ مسلوکہ باغواء است چنانکہ قول او تعالی شانہ: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ
الْأَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ را بریں اسلوب فرو
آورده، گفتہ اند سوال از علت اشکال قمر و از دیاد و انتقاص بود، جواب بنفواند
آن داده شد، و اما استشکال بحدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما، "قال: قدم
النبي صلى الله عليه وسلم المدينة، فرأى اليهود تصوم ليوم
عاشوراء، فقال: ما هذا؟ قال: هذا يوم صالح، هذا اليوم نجى
الله بنى إسرائيل من عدوهم، فصامه موسى، قال: فانا أحق
بموسى منكم، فصامه وأمر بصيامه، اهـ" بارادہ یوم قدوم کہ
باتفاق در ربیع الاول بودہ نہ در محرم، پس استشکال بیجا است زیرا کہ در ربیع
روایتی واقع نہ شد کہ صوم یہود در روز قدوم بود تا با عاشر محرم متناقض افتد بل
صوم یہود ہم در محرم از سن ثانیہ بودہ۔

قال في فتح الباري: وقد كان قدومه المدينة، ولا
شك أن قدومه كان في ربيع الأول، فحينئذ كان الأمر
بذلك في أول السنة الثانية فرض شهر رمضان، فعلى هذا

لم يقع الأمر بصيام عاشوراء إلا في سنة واحدة، ثم فرض
الأمر في صيامه إلى رأى المتطوع، اهـ.

وقال في عمدة القاري: فإن قيل ظاهر الخبر يقتضي
أنه صلى الله عليه وسلم حين قدم المدينة وجد اليهود صياما
عاشوراء، والحال أنه صلى الله عليه وسلم قدم المدينة في
ربيع الأول، وأجيب بأن المراد أن أول علمه بذلك وسؤاله
عنه بعد أن قدم المدينة لا أنه قبل أن يقدمها علم ذلك،
وقيل: في الكلام حذف، تقريره: قدم النبي صلى الله عليه
وسلم فأقام إلى يوم عاشوراء فوجد اليهود فيه صياما، اهـ.

و اما آنچه صاحب "نتائج الافهام في تقويم العرب قبل الاسلام"
آورده کہ روز قدوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء بودہ، و روایت نیز
دریں باب نقل کردہ، پس با وجود آنکہ در نقل سیاق روایت تخلیط واقع شدہ
مقتضی این امر نیست کہ یوم قدوم عاشوراء مسلمین باشد، بلکہ یوم قدوم
بحساب بعض یہود عاشوراء او شان بود کہ دہم تشرین می باشد، و مطابق با ہشتم
ربیع الاول افتاد۔ و این بعض یہود عاشوراء را بحساب شمس می گرفتند کہ بریں
تقدیر در مشہور تقریرہ دائر ماندہ نہ آنکہ یوم قدوم عاشوراء مسلمین با سائر یہود
باشد کہ عاشوراء را بحساب ہلال می گرفتند، و اختلاف یہود را باعتبار عاشوراء
خود از الفاظ حدیثی خیزد، چنانکہ در لفظ صحیح مسلم است: "عن أبي موسى
قال: كان أهل خيبر يصومون يوم عاشوراء يتخذونه عيداً،

يلبسون نسائهم حليهم لما رأتهم. فقال: فصام رسول الله صلى الله عليه وسلم فصرموا أنتم“.

در صحیح بخاری از ہجرت است: وإذا أناس من اليهود يعظمون عاشوراء ويصومونه، پس تنقید بآل خیر و بآل ناس من اليهود دلالت کند بر اختلاف یہود اندریں باب۔

وقال في فتح الباری: ويحتمل أولئك اليهود كانوا يحسبون يوم عاشوراء بحساب السنين الشمسية فصادف يوم عاشوراء بحسابهم اليوم الذي قدم فيه صلى الله عليه وسلم المدينة، وهذا التأويل مما يترجح به أولية المسلمين وأحقيتهم بموسى عليه السلام، لإضلالهم اليوم المذكور وهداية الله المسلمين له.

پس تنقید کردہ بقول دے اولئک اليهود تصریح نمودہ کہ ایں جماعت یہود یوم عاشوراء را گم گردہ بودند، و ہدایت کردہ خدا مسلمین را بصواب۔ بعد ازاں فرمودہ: ثم وجدت في المعجم الكبير للطبرانی ما يؤيد الاحتمال المذكور أولا، وهو ما أخرجه في ترجمة زيد بن ثابت عن أبيه قال: ليس يوم عاشوراء باليوم الذي يقوله الناس، إنما كان يوم تستر فيه الكعبة، وكان يدور في السنة، وكان يأتون فلانا اليهود يعني ليحسب لهم،

فلما مات أتوا زيد بن ثابت فسألوه، وسنده حسن. قال شيخنا الهيثمي في زوائد المسانيد: لا أدري ما معني هذا، قلت: ظفرت في كتاب الآثار القديمة لأبي الريحان البيروني، فذكر ما حاصله أن جهلة اليهود يعتمون في صيامهم وأعيادهم حساب النجوم، فالسنة عندهم شمسية لا هلالية، قلت: فمن ثم احتاجوا إلى من يصرف الحساب ليعتمد عليه في ذلك.

یعنی عاشوراء نزد بعض یہود پیش از اصلاح نبود ایں عاشوراء معروف فیما بین المسلمین الآن، زیرا کہ آن روزے بود کہ کعبہ را آن روز جامہ پوشیدندے، و چون آن بعض یہود بحساب شمس میگزفتند، لہذا عاشوراء در شہور قمریہ دائر ماندے تا آنکہ اسلام بوئے حساب قمری ہدایت نمود، ہمیں بود مرضی خدا۔ و تنقید ابی ریحان بیرونی بقول دے جہلۃ اليهود دلالت کند بر آن کہ اصل حساب بحسب کتاب سماوی نزد او شاں ہم قمری بود، او را بسوئے شمس تحویل کردند، و در بعض زانچہا و تفاویم دیدہ شدہ کہ حساب عبری از عہد آدم علیہ السلام تا حال قمری است سوائے آن کساں کہ تحویل کردند۔ و بعض مفسرین آیت کریمہ: إنما النسيء زيادة في الكفر۔ بر ہمیں تحویل فرود آورده، زیرا کہ دریں تحویل تحویل اوقات شرعیہ است کہ مناقض است با اوضاع شریعت۔

قال في الكشاف: وربما زادوا في عدد الشهور فيجعلونها ثلاثة عشر أو أربعة عشر، ليتسع لهم الوقت، ولذلك قال عز و علا: ﴿إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا﴾، فكان غير زيادة زادوها.

وتمت حديث: ألا إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق السماوات والأرض، السنة اثنا عشر شهرا، منها أربعة حرم، ثلاث متواليات ذو القعدة وذو الحجة والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان.

مانا که مشرکین نیز پیش از اسلام هر دو حساب معمون داشتند، پس خلاصه کلام آنکه نبی کریم صلی الله علیه وسلم در صوم یوم عاشوراء موافقت آن یهود نموده که در تعیین و بے بر جواب بودند نه موافقت آنکه تحویل کرده بودند، و درین یوم علاوه نجات دیگر خصوصیات نیز مستند.

قال في فتح الباری: ولأحمد من طریق شبیل بن عوف عن أبي هريرة نحوه، وزاد فيه: وهو اليوم الذي استوت فيه السفينة على الجودي، فصامه نوح شكرا.

وقال في عمدة القاری: وروی ابن أبي شينة بسند جيد عن أبي هريرة يرفعه: يوم عاشوراء تصومه الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فصوموه أنتم. ودر میان حدیث ابن عباس که گذشت، و حدیث ام المؤمنین عائشة قالت: كان يصوم

عاشوراء وتصومه قريش في جاهليته، وكان رسول صلي الله عليه وسلم يصوم في الجاهلية، فلما قدم المدينة صامه وأمر بصيامه. يتكلمونه مناقات نيت.

قال في فتح الباری: ليس في الخبر أنه ابتداء الأمر بصيامه، بل في حديث عائشة التصريح بأنه كان يصومه قبل ذلك، فعاية ما في القصة أنه لم يحدث له بقول اليهود تجديد حكم، وإنما هي صفة حال وجواب سؤال، ولم تختلف الروايات عن ابن عباس في ذلك، ولا مخالفة بينه وبين حديث عائشة: أن أهل الجاهلية كانوا يصومونه، كما تقدم، إذ لا مانع من التوارد للفريقين على صيامه مع اختلاف السبب في ذلك.

واستناد نقل تورات که نجات موسی علیه السلام ۲۳ ررمضان مطابق ۲۱ رنیان بوده، نه در روز عاشوراء که دهم تشرین باشد، و آن را صوم کیور نیز خوانند، و نه در عاشوراء محرم الحرام قابل اعتماد نیست، چه از سیاق ظاهر است که الحاق اخبار است و حینزد حجت نیست، و دو اثبات صحت و بے قطع مفاد زاست.

في طلعة الشمس ما يغنيك عن زحل



عالم کی بقاء یا دالہی پر منحصر ہے

حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ کا وعظ سادہ ہوتا تھا، چھوٹے چھوٹے جملے، جو پوری طرح ذہن نشین ہو جائیں، ارشاد فرماتے تھے۔

لدھیانہ میں ایک دفعہ وعظ فرمایا، غالباً ۱۳۴۳ھ ہجری تھا:

تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا۔ جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کو بیج کا وقت ہو گیا۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الأرض اللہ اللہ۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک تنفس بھی اللہ اللہ کرنے والا رہ جائے گا۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی، کیونکہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں، اسے گرا دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ سارے عالم کی روح اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، مقصود اصل ذکر الہی ہے، اور یہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام سب اس کے پیرائے ہیں۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر کے لئے موت نہیں، اور غافل کے لئے حیات نہیں، کیونکہ اصلی زندگی یاد الہی ہے، اعمال صالحہ دراصل زندگی کے کام ہیں، اسی واسطے حدیث میں آیا ہے: الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون۔ (ترجمہ) انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں، یعنی زندگی والے کام بھی کرتے ہیں، ان کی قبور والی زندگی بھی اعمال صالحہ سے معطل نہیں بلکہ وہ زندہ

ہیں اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں، اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

از یکے گو وزہم یک سوئے باش

یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

سب سے یکسو ہو کر فقط اس کا ایک کا ہو جا، تیری ظاہر و باطنی توجہ اس ایک ہی کی طرف رہے۔

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید

وحدہ لا شریک لہ گوید

حضرات! اللہ تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو، ظہیر فاریابی اپنے دیوان میں کہتے ہیں اور سارے دیوان میں یہی ایک شعر ہے جو خلاصہ سارے دیوان کا ہے:

من نئے گویم ز جاں کن یا بہ بند سود باش

اے زفر صفت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

میں یہ نہیں کہتا کہ تو اپنے نقصان کا کام کر یا نفع کی فکر میں ہو، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لے، موت کو یاد رکھنا چاہیئے، وقت ہمارا انتظار نہیں کرتا، بلکہ چیزی سے نکلا جا رہا ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں:

رنگالے چیز یا گندالے ری سیس

تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن

نہ جانے بلا لے پیا کس گھڑی

کھڑی منہ نیگے گی اری دن کے دن

معلوم نہیں کہ ادھر سے بلا وا کس وقت آجائے، کف افسوس ملتی رہ جائے گی۔ (یہ اشعار پڑھتے وقت اتنی رقت ہوتی تھی کہ ریش مبارک تر ہو جاتی تھی، اور سامعین وقف گریہ دہکا ہو جاتے تھے)

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ بندہ ایک دفعہ اخلاص سے سبحان اللہ کہتا ہے تو آدھا پلہ آخرت کی ترازو کی بھر جاتا ہے، آخرت کی ترازو اتنی بڑی ہے کہ جتنا کہ زمین اور آسمان کا درمیانی حصہ نظر آتا ہے، اور جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے صدقاً من قلبہ تو نصف پلہ باقی بھی بھر جاتا ہے، سبحان اللہ نصف المیزان، والحمد للہ تملأ المیزان، اور جب یہ کہتا ہے ولا إله إلا اللہ واللہ اکبر تو اس کی سائی زمین و آسمان میں نہیں ہوتی، چیر کر عرش کو نکل جاتا ہے، اور ترمذی شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم جنت کی خزانوں میں سے ایک مخفی خزانہ ہے، اس کا ثواب آخرت میں کھلے گا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کو اس حدیث پر ختم فرمایا ہے: کلمتان خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان، حبیبتان إلی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں آخرت کی ترازو میں بڑے وزنی ہیں، رحمن کو بہت محبوب ہیں، سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

خیال فرمائیں جو شخص ان کا ورد ہر وقت رکھتا ہے کس قدر ثواب اس کو ملے گا پہلے جو حدیث: لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ ذکر کی گئی ہے اس سے ثابت ہوا کہ مجرد اللہ اللہ بھی ذکر ہے۔

یوں بھی روایت ہے: سبحان اللہ والحمد للہ تملأ المیزان یعنی سبحان اللہ والحمد للہ دونوں مل کر ترازو کا پلڑا بھر دیتے ہیں۔

☆☆☆

ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق

عالمِ اہلِ ۱۹۵۹ء ماہ نومبر میں لاہور میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر حضرت اقدس رائے پوری رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا علی میاں صاحب ندوی لکھنؤی بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے، حضرت اقدس نے احقر سے فرمایا کہ ختم نبوت کے متعلق اگر کوئی تقریر حضرت شاہ صاحب کی یاد ہو تو سناؤ، میں نے عرض کیا تقریریں تو بہت سی ہیں، ﴿ما کان محمد أباً أحد من رجالکم ولكن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیما﴾ اس پر بھی ایک تقریر طویل آپ نے کی تھی، اب میں ایک اور تقریر سناتا ہوں۔

أعوذ بالله من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وإذ أخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب

و حکمة ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه قال أقررتم وأخذتم علی ذلکم إصری، قالوا أقررنا قال فاشهدوا وأنا معکم من الشاهدین ﴿﴾

نبوت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا، اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں رکھ دیا، اور حضرت نوح آدم ثانی ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں منحصر کر دیا۔ وجعلنا فی ذریتہ النبوة والکتاب، پھر اس کی دو شاخیں کر دیں، ایک بنی اسرائیل، چنانچہ ان کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرار پائے۔

دوسری بنی اسماعیل ان میں خاتم النبیین علی الاطلاق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائے، اور سلسلہ نبوت آپ پر اختتام فرما دیا، اور بنی آدم کی سیادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سپرد کر دی۔

انا یوم القیامة سید ولد آدم لا فخر، بیدی لواء الحمد ولا فخر، وقد أخذ اللہ میثاق النبیین ائی منهم بنصرته ان ادر کوا زمانہ، وقد ادر کوه فی المسجد الأقصى ویدر کونه یوم العرض الاکبر۔

اور فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور سب نبی میرے جہنڈے تلے ہوں گے اور سب نے آپ کا مسجد اقصیٰ میں زمانہ پالیا، اور آئندہ بھی پالیں گے اور اگر سب کے سب ایک زمانہ میں ہوتے تو آپ کی مثال ایسی ہوتی، جیسا کہ امام اکبر ہوتا ہے، لیکن چونکہ آگے پیچھے ظاہر ہوئے اور نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کمال ثنئے کے رتبے میں ظاہر ہوئے اور یہ تاخر زمانہ کے اعتبار سے ظاہر ہوا۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ بدأ بی الخلق و کنت آخرهم فی البعث، میرے ذریعے خلق ظاہر ہوئی اور ابتداء مجھ سے ظاہر ہوئی اور تمام انبیاء علیہم السلام سے بعد میں مجھے مبعوث کیا گیا۔

اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: کنت اول النبیین فی الخلق و آخرهم فی البعث (کما فی الروح المعانی ج: ۷) میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بعث میں سب سے آخر، یہ حدیثیں درمنثور کنز العمال میں ہیں۔

حضرت قتادہ سے مرفوعاً ثابت ہے اور روح المعانی میں حضرت قتادہ سے دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے اخذ میثاق کیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور یہ بھی کہ حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان کرنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یعنی نبوت کسی کو تفویض نہیں کی جائے گی: ان لا نبی بعدی۔ کو تفسیر درمنثور مسند احمد، ابن جریر اور حاکم اور بیہقی نے دلائل النبوة میں نقل کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس روایت کی تصحیح کی ہے:

انا عند اللہ فی أم الکتاب لخاتم النبیین و آدم لمنجدل فی طینہ، الحدیث، اور یہ میثاق نبیوں سے لیا گیا ہے۔

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ (الآية) وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ، وَلَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا. (الآية) وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (الآية)

حاصل یہ کہ اخذ ميثاق نبیین سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لیا گیا، میری ایک نظم نعتیہ ہے اس میں ایک شعر ہے:

آیت ميثاق دروے خم ہست
ایں ہمہ از مقتضائے ختم است

آیت ميثاق میں جو خم آیا ہے یعنی: ثم جاءكم رسول مصدق لما معكم، الآية۔ یہ سب کچھ بہ مقتضائے ختم نبوت ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف رکھا گیا ورنہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اس امت کے نبی ہیں نبی الانبیاء بھی آپ ہی ہیں، ثم جاءكم اس امر کی دلیل ہے کہ وہ عظیم الشان رسول سب نبیوں کے بعد آئے گا، سورۃ صافات میں ہے: ﴿جاء بالحق وصدق المرسلین﴾ وہ رسول حق لے کر آگیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کر دی، اگر غور سے دیکھو گے تو اس آیت میں: وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ۔ میں لام استغراق کے لئے ہے اور جو رسول آئے گا وہ سب کے بعد ہوگا، اور نزول عیسیٰ علیہ السلام میں جو حدیث میں آتا ہے حکمًا عدلاً وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا

نزول بحیثیت پیغمبر نہیں ہوگا۔ پیغمبر تو آپ ہوں گے لیکن بحیثیت حکم عدل تشریف لائیں گے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقے میں تشریف لے گئے، پیغمبر تو تھے لیکن بحیثیت پیغمبر کے تشریف نہیں لے گئے تھے، شریعت یوسفی پر عامل تھے، جیسا کہ لو کان موسیٰ حیاً لما وسعه إلا اتباعی۔ میں ہے۔

الحاصل یہ نکھر گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ميثاق لیا گیا، قرآن عزیز میں ہے: ولما جاءهم من عند الله مصدق لما معهم نبذ فريق من الذين أوتوا الكتاب كتاب الله وراء ظهورهم كأنهم لا يعلمون۔

”ہدایت الہیاری میں ہے: لو لم يظهر محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم لبطلت نبوة سائر الأنبياء۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابن عبد اللہ کا ظہور نہ ہوتا تو تمام انبیاء کی نبوت باطل ہو جاتی۔ سو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی تصدیق فعلی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بل جاء بالحق وصدق المرسلین۔ یہ تفسیر حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمائی جو اجل مفسرین میں سے ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا اس کی دلیل ہے کہ باری تعالیٰ اور کوئی نبی نہیں بھیجے گا، یعنی آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ کی جائے گی عدد انبیاء کا ختم ہو گیا ہے، اور حسب حاجت کسی پہلے نبی ہی کو بھیجا جائے گا تا کہ دلیل ہو جائے کہ حضور ہی خاتم النبیین ہیں، اور“

حضرت عیسیٰ تشریف لا کر بھی حضور کی ہی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے تاکہ سب پر ثابت ہو جائے کہ حضور ہی سب سے افضل اور خاتم النبیین ہیں، تو رات میں ہے ”نابی میاتخ مفرنج یا خیم لئح الاو خ الاوشما عون“، یعنی نبی من قربک من اخیک کاخیک یقیم لک الہک الیہ تسمعون۔ میں تیرے قریب بھائی بندوں میں سے ایک نبی مبعوث کروں گا تم اسی کی سنو۔

بنی اسرائیل کے قریبی بھائی بند بنی اسماعیل ہی ہیں۔ ان ہی میں سے نبی برحق مبعوث ہوئے ان ہی کے اجتماع کا حکم فرمایا جا رہا ہے، وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی کریں گے، اور اولاد بھی ہوگی، اور حج و عمرہ بھی کریں گے اور چالیس سال قیام فرمانے کے بعد انتقال فرمائیں گے، ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی پھر روضہ پاک میں دفن ہوں گے، جہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا ہے، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ایک وادی سے گزرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ای واد ہذا؟ معلوم ہوا کہ وادی ازرق ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کناہی انظر الی موسیٰ۔ کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو گویا دیکھ رہا ہوں، اپنی انگلی کانوں میں دے کر بلند آواز سے تبلیہ کہتے جا رہے ہیں۔

پھر یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ دادی ”ہرشی“ سے گذر رہے

ہیں، یہ مسلم شریف میں بھی ہے، شاید ان دونوں نبیوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا تھا، مسند احمد اور مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج اور عمرہ کریں گے اور ”لح روحا“ سے احرام باندھیں گے۔

اور امام بیہقی نے حیات انبیاء پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، مسلم شریف میں ہے: ضررت بموسیٰ لیلۃ أسری بسی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبرہ۔

اور مسند احمد میں صحیح ابن حبان اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے انبیاء علیہم السلام علاتی بھائی ہیں دین ان کا واحد ہے۔

أنا أولى الناس بعیسی بن مریم، لأنه لیس بینی و بینہ نبی، وأنه خلیفتی علی امتی، وأنه نازل فإذا رأیتموه فاعرفوه۔ (الحديث) اور مستدرک حاکم میں ہے: ولیاتین علی قبری حتی یسلم علی ولادین علیہ۔

اور فتح الباری میں بھی ہے، اور ایک نکتہ مسلم شریف میں بھی آیا ہے۔ اور واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا تمام دائرہ از اول تا آخر طے فرمایا ہے لہذا اول اور آخر میں ظہور فرمایا، اور تمام دورہ نبوت پر حاوی ہو گئے اس تقدیر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور پذیر ہونا اگرچہ آنحضور سے استفادہ کے طور پر ہی ہو اس میں صریح منقبت

ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

بس اتنی تقریر کی تھی کہ حضرت اقدس نے فرمایا اس کو قلم بند کرو، اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری بھی میرے پاس بیٹھے تھے، اور بڑے غور سے سن رہے تھے، بہت ہی اصرار کیا کہ اسے ضرور قلم بند کرو، ورنہ میں آپ کے دروازے پر بیٹھ جاؤں گا، علی میاں بھی فرماتے تھے کہ بہاول پور کے حضرت شاہ صاحب کشمیری کے بیان کو بھی ضرور قلمبند کر دینا چاہیے۔

☆☆☆

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیشین گوئیوں کی عملی شکل

فرمایا کرتے تھے کہ جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیاں دنیا میں عملی شکل اختیار نہ کر لیں گی اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔ (انبیاء کے معجزات کا عملی مشاہدہ کرادیا جائے گا)

(ف) اس بات کو اب پچاس سال کے قریب ہو گئے چنانچہ آہستہ آہستہ سب حقائق کا تجربہ ہوتا چلا جا رہا ہے، اور آج کل کے خلائی سفر کرنے والے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سیر کرتے ہیں۔ ابھی یہ بھی ابتدائی حیثیت ہے، مستقبل قریب میں خلائی مسافروں کا سفر نہایت تیز رفتار ہوگا، وہ بہت حیرت انگیز ہوگا، کیونکہ ستاروں کی درمیانی مسافت کو بہت تیزی سے

طے کر لیں گے، جس کا تصور بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

”گارڈن کو پر“ کا زمین کے ارد گرد ۹۰ منٹ میں ۲۲ چکر لگانا ایسے نئے دور کا پیغام ہے جیسے آئن سٹائن نے اپنے نظریے اضافت کی بناء پر پہلے ہی صحیح مان لیا تھا، یہ خلائی سفر گارڈن کو پر نے ۹۰ منٹ میں طے کر لیا۔ اور گارڈن کو پر کی عمر اس خلائی سفر میں کم ہو گئی۔ اب تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں نازل ہونا ایک حقیقت ثابتہ بن چکا ہے۔ ﴿وَإِنْ يَوْمَ عُنْد رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾ کی تفسیر تجربے میں آ گئی۔

ایک فلاسفر نے لکھا ہے کہ خلائی کشتی کے ذریعے ایک سے دوسرے کہکشاں تک آنا جانا ممکن الوقوع ہے اور وہاں کے حساب سے پچپن سال اور زمین کے حساب سے تین لاکھ سال گزر چکے ہوں گے۔ یہ اس نے بڑے تھکانے والے تجربے کے بعد حساب لگایا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ کئی بار فرمایا تھا: لیس عند ربک صباح ولا مساء۔

ہنا موطن فرق الزمان ثباتہ

علی حالۃ لیست بہ غیر تتری

وہاں ایسا مقام ہے جہاں زمانے اور تغیر و تبدل کا گزر نہیں ہے۔

علامہ ابن قیم کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے۔

قال ابن مسعود کلاما قد

حکاه الدارمی عنه بلا نکران
ما عندہ لیل ولا نہار قلت
تحت الفلک یوجد ذان
نور السموات العلوی من نورہ
والارض کیف النجم والقمران
من نور وجہ الرب جل جلالہ
کذا حکاہ الحافظ الطبرانی

یہی مراد اس حدیث کی ہے: ان الله لا ینام ولا ینبغی له ان ینام، ینخفض القسط ویرفعه، ویرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النهار، وعمل النهار قبل اللیل، حجابہ النور، فہذہ حضرة فوق اللیل والنهار، کما فی روح المعانی، روح المعانی میں وأشرق الأرض بنور ربہا دیکھنا چاہیے۔

وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین۔ میرے نزدیک یہ محقق ہو گیا کہ معانی آخرت میں مقصد ہو جائیں گے، شیخ اکبر کی بھی یہی تحقیق ہے چنانچہ فتوحات میں لکھا ہے۔ اور دوانی نے اپنے رسالہ الزوراء میں آیت بالا سے اس کو تقویت دی ہے یعنی اب بھی جہنم محیط ہے لیکن آنکھوں سے مستور ہے اور حشر میں یہ سب کچھ منکشف ہو جائے گا، فکشفنا عنک عطاء ک فبصرک الیوم حدید۔

بندوق کا شکار

درس بخاری شریف میں فرمایا تھا کہ مجھ سے بعض احباب نے مدینہ منورہ میں یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ بندوق کا شکار کیا ہوا جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں جواب لکھا تھا، حاصل یہ کہ بندوق کی گولی توڑتی ہے زخم نہیں کرتے، تو یہ وقید کے مشابہ ہوا، گوما لکیہ کے ہاں جائز ہے بہر حال اگر بندوق کا شکار زندہ مل جائے تو ذبح کرنا چاہیے اگر مر جائے تو کھانا ناجائز ہے۔

☆☆☆

علم القرائن پر ایک طویل نظم

فروض میں حضرت شاہ صاحب کشمیری کی ایک نظم ہے، ۹۲ (بانوے) اشعار ہیں، ابتدائی شعر اس طرح ہیں:

بعد حمد خدا و نعت رسول
بشنو از انور ظلوم و جہول
مال نبود چو مستحق العین
بعد تجہیز و دفن و دادن دین
ہم پس از عزل ثلث موسیٰ بہ
ذی فروض مقررہ را دہ

عصبہ بعد ازاں برد ہمہ مال
بعد ازاں رد بذی قروض سگال
بعد ازیں دو فریق اے منعام
وارث مال داں ذوی الارحام

موانع ارث

مانع ارث آمدہ اند چہار
رق و قتل اختلاف دین و دار
لیک قتلے کہ بالسبب باشد
مانع ارث کس نمی باشد

یہ بھی پہلے درس بخاری شریف ۱۳۳۸ھ ۱۳۳۹ھ میں سنایا تھا، پھر تو
مراد آباد میں مدرسہ فخریہ میں جب مولانا فخر الدین صاحب مدرس تھے کچھ
اضافات کے ساتھ طبع کر دیا تھا اور ”النور الفائق علی نظم علی الفرائض“ عنوان
رکھا۔

☆☆☆

نماز کے لئے رغبت

حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ فرماتے تھے کہ مولانا سید انور
شاہ صاحب ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہی سے عرض کیا
حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آجائے۔ حضرت گنگوہی
نے فرمایا ”اور رہ ہی کیا گیا“ سبحان اللہ نماز ہی کی فکر رہی۔

☆☆☆

اختلاف میں اتحاد

ارشاد ہوا دوشریف آدمی مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود
آپس میں مل جل کر شریفانہ زندگی گزار سکتے ہیں۔

☆☆☆

حضرت شاہ صاحب کا تبحر علمی

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے القاسم شوال ۱۳۳۰ھ
ص: ۱۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

شوال ۱۳۳۰ھ سے ایک وظیفہ رفیق دارالعلوم دیوبند پچاس روپے
ماہوار کا مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کو دیا جائے گا جنہیں عظیم الشان جلسہ
دستار بندی ۱۳۲۸ھ میں سب سے پہلے دستار فہیلت ملی، اور علوم شریعت میں

تجر اور زہد و تقویٰ میں سلف صالح کا نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔“

عبید اللہ ناظم الانصار دارالعلوم دیوبند

نقش حیات میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے، رسالہ القاسم الرشید کی پرانی فائلیں دیکھنے سے بہت کچھ مواد مل سکتا ہے۔

☆..... فرمایا: قل ادعوا الذين زعمتم من دون الله لا يملكون مثقال ذرة في السماوات ولا في الأرض.
ابو عبد اللہ رازی کہتے ہیں جو مذاہب کہ منہجی الی الشریک ہیں وہ چار ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین اور زمینیات کو ان کے حکم میں کر دیا، اور ہم زمینیات میں سے ہیں اس لئے ہم کو اکب اور ملائکہ کو پوجتے ہیں جو کہ آسمانی ہیں، اور وہ ہمارے الہ ہیں، اور اللہ ان کا معبود ہے لہذا ان کا قول باری تعالیٰ نے رد کر دیا: ﴿لا يملكون مثقال ذرة في السماوات﴾ ﴿كما اعترفتم، ﴿ولا في الأرض﴾ ﴿كما زعمتم۔

(۲) آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مستقل، اور زمینوں اور زمینیات کا خالق ہے بواسطہ کو اکب، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عناصر پیدا کئے،

اور جو ترکیبات ان میں ہیں اتصال اور حرکات اور طوابع اس لئے انہوں نے شریک قرار دیئے اللہ تعالیٰ کی زمین میں، اور پہلوں نے زمین کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ رد فرمادیا: ما لهم فيهما من شرک ای الارض كالسمااء لله لا لغيره فيهما من نصيب.

(۳) وہ جو قائل ہیں اس بات کے کہ ترکیبات تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے سپرد کر دیا ستاروں کے، اور حوادث کا انتساب اذن دینے والے کی طرف کیا جاتا ہے نہ کہ ماذون کی طرف، اور فقط آسمانوں ہی کو منسوب باری تعالیٰ کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے باطل قرار دیا، اس کلام سے وما لهم منهم من ظہیر.

(۴) بعض کہتے ہیں ہم احنام کو پوجتے ہیں جو ملائکہ کی تصویریں ہیں تاکہ ہماری شفاعت کریں، پس اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا، لا تنفع الشفاعة. جملہ الشفاعة میں الف لام ظاہر ہے کہ عموم کے لئے ہے، اور شفاعت سے مراد شفاعت تمام مخلوقات کی ہے، بعض کہتے ہیں کہ الف لام عہد کے لئے ہے یعنی شفاعت ملائکہ کی جن کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

☆..... فرمایا: إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء. جو موت علی الکفر کی عدم مغفرت قرآن پاک میں بار بار ذکر فرمائی گئی ہے چنانچہ آل عمران میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَمْ يِقْبَلْ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلًّا الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَى بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ (الآیۃ) اور اس سے قبل بھی یہی مضمون فرمایا گیا ہے نیز سورۃ نساء میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ وغیرہا من الآیات۔

لہذا اس آیت کے ساتھ اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا، کیوں کہ دو چیزیں ہیں اگرچہ شرعاً حکم شرک کا بھی کفر ہی ہے کیوں کہ ان دونوں میں تغیر نہیں ہے کیوں کہ شرک اقرار الوہیت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے، چنانچہ مشرکین عرب ایسے ہی تھے۔ اور کفر کبھی تو بخود باری تعالیٰ سے ہوتا ہے، اور کبھی اس کے رسولوں کے انکار سے بھی کفر ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہاں آیت میں شرک کو ذکر فرمایا اس لئے یہاں پر عنوان شرک کا رکھا، اور قرآن میں رعایت عنوان کی اور لغت کی اہم ہے۔

☆..... فرمایا اشراک باللہ کی کئی اقسام ہیں: (۱) اشراک فی العبادۃ، (۲) اشراک فی الصفات، (۳) اشراک فی الطاعت۔

اشراک فی العبادۃ کہ عبادت غیر اللہ کی کرے، لیکن اس کو معبود یقین کرے یا نہ کرے، جیسے مشرکین عرب کہتے تھے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾۔

اشراک فی الطاعت: یہ ہے کہ تحلیل الحرام میں اور تحریم حلال میں غیر

اللہ کا کہنا مان لے، جیسا کہ حضرت عبدالقادر دہلوی نے متنبہ کیا ہے، جیسا کہ نصاریٰ اربابا من دون اللہ مانتے تھے یہ بھی ایک نوع شرک کی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر نے اس کو اشراک فی الطاعت فرمایا ہے۔

وحدت دعوت انبیاء

فرمایا ابن رشد نے ”تہافت الفلاسفہ“ میں فرمایا ہے کہ تعلیم قیامت تورات سے قبل نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں بلکہ تعلیم قیامت تو نجات ہے اور ادیان سماویہ کی اور شرائع انبیاء کی اساس ہے، تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم بھی شروع سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، کیوں کہ شرائع اگرچہ بدلتی رہی ہیں لیکن اصل تو تبدیل نہیں ہوئی۔ تفاسیر میں ہے کہ حرمت خنزیر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے، ہاں ان نقول کے انتقاد کی ضرورت ہے، تو قیامت کا عقیدہ جو کہ اصول دین سے ہے پہلے سے کیوں نہ موجود ہوگا۔

تعظیم مفراط پر نکیر

جس روز بہاول پور تشریف فرما ہوئے ظہر کی نماز ایک چھوٹی سی مسجد میں ادا کرنے کے بعد مولانا فاروق احمد صاحب سے فرمانے لگے، یہ اتنا مجمع کیوں ہے؟ جواب دیا یہ لوگ حضرت کی زیارت کے لئے آئے ہیں، فرمایا زیارت کسی اللہ تعالیٰ کے پاک بندے کی کرنی چاہیے، ہم تو عام آدمی ہیں،

خیر بیٹھے میں ایمان اور اسلام اور اذکار کے متعلق کچھ سنانا چاہتا ہوں، پھر اس پر وعظ فرمایا، قرآن وحدیث پیش فرماتے گئے، پھر مولانا فاروق احمد صاحب احقر سے فرمانے لگے کہ مولانا غلام محمد صاحب دین پوری حضرت شاہ صاحب سے ملنے آئے ہیں، مکان پر تشریف فرما ہیں، تو عرض کر دے کہ وعظ بند کر دیں، میں نے کہا کہ میں تو جرات نہیں کر سکتا، ہم دونوں ایک دوسرے کے کان میں بات کر رہے تھے حضرت نے فوراً وعظ بند کر دیا اور دعا فرما کر باہر تشریف لے آئے، راستے میں عرض کیا کہ مولانا دین پوری تشریف لائے ہوئے ہیں مکان پر پہنچ کر ملاقات فرمائی، اور معافتہ کیا حضرت دین پوری پر رقت نے زور کیا، بہت روئے، پھر پلنگ پر سر ہانے کی طرف حضرت دین پوری کو بٹھانے لگے، حضرت نے اصرار کیا کہ آپ ہی ادھر بیٹھیں۔

حضرت شاہ صاحب نے تکیہ حضرت دین پوری کی طرف رکھ دیا کہ آپ تکیہ لگا کر بیٹھیں، خود بھی بیٹھ گئے پھر خدام حضرت دین پوری حضرت شاہ صاحب سے ملنے لگے پہلے پاؤں کو ہاتھ لگاتے پھر گھٹنوں کو پھر مصافحہ کرتے، ایک کو فرمایا ارے بھائی! فقط مصافحہ سنت ہے، اور دوسرے سے بھی یہی فرمایا، تیسرا آیا اس نے جب گھٹنوں کو ہاتھ لگایا تو اس کے دونوں بازو و تھام لئے اور فرمایا کیا پیغمبر کی سنت سے عداوت ہی ہے؟ پرے ہٹ کر بیٹھ جاؤ، میں اس مسئلہ کو کشف کرنا چاہتا ہوں۔

پھر شرح وسط کے ساتھ مسئلہ بیان فرمایا، کہ نماز میں جو ارکان شریعت نے رکھے ہیں ان میں قیام تو مشترک ہے، ہم ایک دوسرے کے

سامنے کھڑے ہوتے ہیں، لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی یہ چاہے کہ میں بیٹھوں اور لوگ میری تعظیم کے لئے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ رہا رکوع تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور سجدہ تحیہ اور تعظیسی یہ حرام ہے۔ فقط مصافحہ سنت ہے۔

ایک صاحب نے ایک رسالہ میں سجدہ تحیہ کا جواز لکھ کر میرے پاس ڈابھیل بھیجا، میں اردو کے رسائل کم دیکھتا ہوں، اٹھا کر ایک دو جگہ سے دیکھا، انہوں نے لکھا کہ سجدہ تحیہ کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں۔ حالانکہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ پہلے وقت سجدہ تعظیم تھی آپس کی، فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ رواج موقوف کیا۔

وان المساجد لله، اس وقت پہلے رواج پر چلنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی آدمی بہن سے نکاح کرے، کہ آدم علیہ السلام کے وقت ہوا ہے، (سورہ یوسف کی تفسیر میں وغیروا لہ سجدا کے تحت شاہ صاحب نے یہ ذکر فرمایا ہے) اور سورۃ جن میں وان المساجد لله کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ: ”سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے۔“

غرض سجدہ تحیہ کی حرمت احادیث کثیرہ سے ثابت ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے مثلاً اپنے استاد کو یا کوئی اور واجب الاحترام آدمی ہو۔ (درمختار)

مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ نے بوقت رخصت جب حضرت شاہ

صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، تو فرمایا کہ لوگ حاجی بنائیں گے۔

لفظ قدر کی تحقیق

فرمایا: فظن ان لن نقدر علیہ، پس گمان کیا ہم اس پر تنگی نہیں پکڑیں گے۔ ف: کما فی "فقدر علیہ رزقہ" پس اس پر رزق تنگ کر دیا۔ کما بینہ الطحاوی فی مشکوٰۃ۔

رؤیت انبیاء مشاہدہ ہے

والشجرة الملعونة فی القرآن۔ شجر ملعونہ کے ذکر کو معراج سے اس لئے ملا دیا کہ یہ بھی کفار کا ایک طعنہ تھا، جیسے کہ معراج میں ان کو اعتراض تھا، چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے کہ کفار کہتے تھے کہ آپ کیسے راتوں رات بیت المقدس تک ہو آئے، اور شجرہ کے متعلق کہتے تھے کہ سودرخت آگ میں کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ آگ کا کام تو جلانا ہے۔ خدا کی قدرت کو سب کچھ آسان ہے۔

☆..... فرمایا کہ عالم غیب کی چیزیں حالت یقظہ میں مشاہدہ کرنے کی تعبیر رؤیا سے کی گئی ہے، میں نے تو رات میں اکثر دیکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات عالم یقظہ میں ہوئے، یہاں لفظ اکثر استعمال کیا گیا ہے

تورات ہی میں ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام ایک ندی کے پاس سے گزر رہے تو انہوں نے ایک رؤیا دیکھا، حالانکہ یہ عالم بیداری میں رؤیا تھا، فوراً مجھے حنبہ ہوا کہ یہ لفظ رؤیا انبیاء علیہم السلام کے عالم یقظہ کے مشاہدات پر بھی بولا گیا ہے، حافظ نے فتح الباری میں بھی اس پر بحث کی ہے۔

یہ ایسا ہے جیسے کشف کا لفظ صوفیا کے ہاں، لغت میں تو کشف کے معنی وضوح کے ہیں، کبھی باصرہ کے ساتھ عالم یقظہ میں دیکھنے پر بھی کشف کا لفظ بولا گیا ہے۔

☆..... فرمایا کہ قادیانی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو شب معراج میں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی مگر آپ نے آنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا، میں کہتا ہوں کہ یہ دھوکا ہے اس لئے کہ ابن ماجہ میں واقعہ ملاقات ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام مذکور ہے، اور باہمی گفتگو بھی مذکور ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ص: ۳۰۹ باب فتنة الدجال وخروج عیسیٰ علیہ السلام، عبد اللہ بن مسعود راوی ہیں):

لما أسرى برسول الله صلى الله عليه وسلم لقى إبراهيم وموسى وعيسى فتذاكروا الساعة، فبدءوا بإبراهيم فسالوه عنها فلم يكن عنده من علم، ثم سالوا موسى فلم يكن

عنده من علم، فروا الحديث إلى ابن مريم، فقال قد عهد إلى
دون وجبتها، أما وجبتها فلا يعلمها إلا الله فذكر خروج
الرجال، قال: فأنزل فأقتله.

ایام قیام قبا کی تحقیق

فرمایا یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں چودہ روز قیام
پذیر رہے، چنانچہ بخاری صفحہ ۵۰۶ جلد ایک میں تصریح ہے اور جو سیر محمد بن
اسحاق میں ہے کہ قباء کا قیام چار دن رہا پس وہ سہو ہے، اس کا منشاء یہ ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں داخل ہوئے منگل کے روز اور شہر مدینہ میں
تشریف لائے جمعہ کے روز پس جمعہ اسی ہفتہ کا شمار کر لیا گیا، اگر اعتراض کیا
جائے کہ جمعہ ثانیہ کا اعتبار کرنے سے بھی حساب پورا نہیں ہوتا کیوں کہ منگل
منگل آٹھ روز، بدھ جمعرات جمعہ تین دن ملکر گیارہ دن ہو گئے تو بخاری
شریف میں مذکور چودہ دن پورے نہ ہوئے، جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کا
تشریف لے جانا قیام کی خاطر نہ تھا، بلکہ جمعہ کی نماز ادا کر کے واپس آ جانا
منقصود تھا، پھر ہفتہ اتوار پیر قباء میں رہ کر منگل کو مدینہ میں تشریف لائے یہ
پندرہ یا چودہ روز ہو گئے۔

فضیلت حضرت ابو بکر قطعی ہے

ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر کی فضیلت امام اشعری کے
نزدیک قطعی ہے اور امام باقلانی کے نزدیک ظنی ہے، میں کہتا ہوں کہ اشعری
کا فرمانا اصوب ہے کیوں کہ اس کثرت سے احادیث اس باب میں مروی
ہیں جن سے تواثر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ تواثر سے بھی فوق، ایسا ہی فضیلت
شیخین بھی ثابت ہے پھر ترتیب بھی قرابت کے برعکس ہے پس جو اقرب ہے
نسباً وہ آخر ہے افضلیت میں، اس طرح کہ علی عثمان، عمر ابو بکر۔ نیز افضلیت
میں صدیق اکبر اقدم ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر علی کرم
اللہ وجہہ۔

امتناع قراءۃ خلف الامام

بخاری جلد اول ص: ۵۲۳ میں ہے کہ فاروق اعظم پہلی رکعت فجر کی
نماز میں سورۃ یوسف یا نخل پڑھتے تھے حتیٰ کہ لوگ جمع ہو جاتے تھے پھر رکوع
کرتے، معلوم ہوا کہ جو لوگ رکوع کے قریب ملتے تھے وہ فاتحہ نہیں پڑھتے
تھے، پس مدرک رکوع مدرک کعت ہوا، پھر فاتحہ خلف الامام کہاں گئی، حدیث
کے الفاظ یہ ہیں: حتیٰ یجتمع الناس۔

توسل فعلی و قولی

بخاری میں قول عمر آیا ہے: اللہم إنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا۔ یہ توسل فعلی ہے، رہا قولی توسل تو ترمذی میں ہے اعمیٰ کی حدیث میں ہے: اللہم انی أتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، إلی قوله: فشفعه فی۔

(ف) یہ حدیث ترمذی کے علاوہ زاد المعاد میں بھی ہے، اور تصحیح فرمائی ہے، مستدرک حاکم میں بھی ہے حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، ذہبی نے حاکم کی تصحیح کی تصویب کی ہے۔

فقہاء سبعہ مدینہ

فرمایا فقہائے سبعہ مدینہ ان کے نام مبارک یہ ہیں:

ألا كل من لا يقتدى بأئمة

فقسمة ضی عن الحق خارجه

فخذهم عبید اللہ عروة قاسم

سعید ابو بکر سلیمان وخارجه

پس وہ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، عروہ بن قاسم ابن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ۔ سعید بن المسیب، ابو بکر بن عبد الرحمن، سلیمان بن یسار مدنی مولیٰ میمونہؓ، خارجه بن زید بن ثابت الانصاریؓ۔ اگر کوئی ان اسماء کو کاغذ پر لکھ

کر چھت سے تعویذ باندھ دے تو چھت کی لکڑی کو کیڑا نہیں لگتا۔

لفظ دون کی ادبی تحقیق

فرمایا: واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجهر من القول بالغدو والآصال، اس میں دون الجهر معطوف واقع ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر جہر کا بھی جواز ہے، اور دون بمعنی ذرا کم یعنی جہر مفرط سے ذرا کم، فقہاء کا جہر مراد نہیں بلکہ لا یحب اللہ الجهر بالسوء من القول کے قبیل سے ہے مثلاً ولا تجهروا له بالقول، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چیخ کر نہ بولو، جیسے اعراب بولتے تھے، جیسے ویغفر ما دون ذلک یعنی جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا اسے بخش دے گا۔

ولنذیقنهم من العذاب الأدنى دون العذاب الأكبر۔

یعنی تھوڑا عذاب جو ورے ہے اس بڑے کے۔

ثم صلی رکعتین وهما دون اللتين قبلهما۔ یعنی پھر دو رکعتیں ادا فرمائیں جو کہ پہلی دو رکعتوں سے کم طویل تھیں۔ غرض ثابت فقہاء کے جہر کو کیا جو چیخ کر بولنے سے ذرا کم ہوتا ہے۔

سنن ابی داود ص: ۲۶۳ میں ہے: فإن افتانا بفتيا دون الرجم قبلناها۔ پس اگر انہوں نے فتویٰ دیا رجم سے کم سزا کا تو ہم اس کو قبول کر لیں گے، (اسد الغابہ ص: ۱۶۸) وغیرہ غرض یہ کہ جہر مفرط کی نفی ہے مطلقاً

اعجاز قرآنی

ایک دفعہ فرمایا کہ قرآن مجید و حکیم کا اعجاز مفردات اور ترکیب و ترتیب کلمات اور مقاصد و مخافت کی جملہ وجوہ سے ہے، مفردات میں ہے کہ قرآن مجید وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے اوفیٰ بالحقیقۃ و اوفیٰ بالمقام سارے انس و جن بھی نہیں لا سکتے، مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت کے لئے توفیٰ کا لفظ درست نہ تھا کیونکہ ان کے عقیدے میں نہ بقاء جسد تھی نہ بقاء روح۔

توفیٰ وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدے میں موت توفیٰ نہیں ہو سکتی، قرآن مجید نے موت پر توفیٰ کا اطلاق کیا، اور بتلایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض، اس حقیقت کو کلمہ توفیٰ سے کشف کر دیا اور کہیں کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

وجعلوا للہ شرکاء الجن۔ ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی: وجعلوا الجن شرکاء للہ۔ لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے کوئی معمولی جرم نہیں کیا، خدا کو جن کا شریک قرار دینے کا، مطلب یہ ہے کہ خدا کی عظمت اور کبریائی کو جن کا ہم رتبہ قرار دے دیا، پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

(ف) حضرت عبداللہ ذوالجہار بن تو حصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر جہر کرتے تھے، حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے شکایت بھی کی کہ یہ شخص ریاکار ہے: فرمایا: **إنہ من الأواہین**۔ اور خود حضرت عمرو بن عبسہ کے ایمان کے واقعہ میں رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لا الہ الا اللہ کا کعبہ میں بلند آواز سے ذکر فرمانا آیا ہے کعبہ شریف تو مساجد میں افضل ہے کتب سیرت میں مصرح ہے۔ (اسد الغابہ ص: ۱۶۱) (محمد عفا اللہ عنہ)

فرمایا: بزاز یہ میں کلام مضطرب کیا ہے اور شامی میں تفصیل کی ہے مختصر المعانی ص: ۱۸۵ میں ہے:

ومعنی دون فی الأصل أدنی من الشیء، یقال: دون ذلک إذا کان أخط منه قليلاً۔ (ترجمہ) دون اصل میں کسی شے کا کم درجہ کا ہونا "ہذا دون ذلک" وہاں بولتے ہیں جب وہ شے دوسری کی نسبت سے تھوڑی سی کم ہو۔

لاہور میں ایک شخص کو تلقین ذکر کرتے وقت زور سے ضرب لا الہ الا اللہ کی لگا کر دکھائی، دیوبند میں احقر جن حضرات کو بیعت کی غرض سے لے جاتا تھا جہر سے ذکر کرنا تلقین فرماتے تھے۔

مقصد قرآنی کی تشریح

مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا لینا ہے، جیسا کہ علماء کرام نے اسماء حسنی کے شروع میں لکھا ہے مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدا اور معاش اور معاد اور فلاح و نجات دنیا و آخرت وابستہ ہو۔

کچھ ابتدائی دور سے متعلق

ریل گاڑی میں بہاول پور سے براستہ راجپورہ والپسی دیوبند کے سفر میں مجھے فرمایا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حاکم سے لیتے ہیں اور حاکم دارقطنی سے لیتے ہیں، احقر نے عرض کیا کہ سنن کبری بیہقی پر علامہ مارونی بیہقی کے لفظ اغلاط پر بھی گرفت کرتے جاتے ہیں، فرمایا: ان کی نظر چوکتی نہیں۔

فرمایا میں نے عمدۃ القاری کا حضرت شیخ الزمن مولانا محمود الحسن صاحب تفسیر کی خدمت میں صحیح بخاری شروع کرنے سے ایک سال پہلے ہی مطالعہ کر لیا تھا، اور فتح الباری کا مطالعہ درس بخاری کے سال میں کیا تھا، مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری فرماتے تھے کہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح بخاری کا مطالعہ بھی اسی سال کیا کرتے تھے، خود فرماتے تھے کہ میرے مطالعہ کی رفتار تیزی ہوتی تھی کہ دو دو سو ورق مطالعہ کر لیتا تھا۔

مولانا محدث محمد اسحاق کشمیری سے میں نے صحیح مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ پڑھی ہیں، وہ تلمیذ مولانا خیر الدین آلوسی کے ہیں وہ اپنے والد سید

محمود آلوسی صاحب روح المعانی کے ہیں۔ ”الجواب الفسیح لهما لفیق عبد المسیح“ اور ”بلوغ الارب وجلاء العینین فی الحاکمۃ بین الاحمدین“، اور بھی بڑی نفیس کتب کے مولف ہیں، ابواب الفسیح تو احقر کے پاس بھی ہے، حضرت شاہ صاحب اس کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے، احقر نے ایک دفعہ امرتسر اور لاہور کے درمیان عرض کیا کہ علامہ خیر الدین آلوسی کی ایک کتاب رد عیسائیت میں ہے، لاہور شاہ عالمی دروازے پر میں نے چھ آنے میں خرید کی تھی، فوراً فرمایا الجواب الفسیح ہے؟ میں حیران رہ گیا۔

مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیری کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۳۲۲ھ میں ہوا، فرماتے تھے ایک میرے استاد تھے، اتنا رعب تھا کہ میں تھک جاتا تھا لیکن گھٹنا نہیں بدلتا تھا۔ اب تو طالب علم اس کو کہتے ہیں کہ خوب شوخ و شنگ ہو، میں تو حضرت شیخ الہند کے سامنے کبھی بولتا نہ تھا چپ سنتار ہوتا تھا۔ فرمایا حضرت شیخ الہند سے ہدایہ کے آخری دو جز بھی میں نے پڑھے ہیں۔

فرمایا ایک میرے استاد محدث حسین الجسر طرابلسی بھی ہیں، ان کا سلسلہ علامہ ابن عابدین شامی اور علامہ طحطاوی سے ملتا ہے، رسالہ حمیدیہ ان ہی کی تصنیف ہے، ان کا زہد و انتقاء بڑا کامل تھا، فرمایا میں نے حضرت مولانا گنگوہی سے بھی پڑھا ہے۔ جب میں اپنے وطن کشمیر جانے لگا تو گنگوہہ حاضر ہوا تھا یہ مدرسہ امینیہ کی والپسی پر ہوا تھا۔

مولانا نیموی

ایک دفعہ میں گنگوہ حاضر ہوا تو ”جامع الآثار“ مولفہ مولانا نیموی حضرت گنگوہی کے ہاں آیا ہوا تھا۔ کسی غیر مقلد نے اس پر اعتراضات کئے تھے۔ تو حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ غیر مقلد کے اعتراضات بے جا ہیں، میں نے جامع الآثار کی حمایت میں بھی مولانا نیموی کو لکھا تھا، مولانا نیموی کے خطوط دہلی میں بھی میرے پاس آتے تھے۔

تقویٰ کے معانی

ایک بار فرمایا کہ تقویٰ ایمان پر بھی بولا گیا ہے، ﴿وَالْزَمُّهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى﴾ تو یہ پر بھی اطلاق ہوا ہے، ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ طاعت کے معنی پر بھی بولا گیا ہے۔ ﴿أَنْ أُنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُون﴾ ترک گناہ پر بولا گیا ہے۔ ﴿وَأَتُوا الْبَيْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ کبھی اخلاص کے معنی بھی دیتا ہے، ﴿إِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ حضرت شاہ عبدالحزیز نے اس پر خوب لکھا ہے۔

حضرت مرحوم کے تعلقات دوسرے بزرگوں سے

۱۹۳۳ء کی بات ہے حضرت اقدس کنڈیاں والے اپنے خلیفہ مولانا محمد عبد اللہ صاحب کے گاؤں سلیم پور تشریف لائے تھے، احقر کو حضرت مولانا

عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ تو بھی آتا کہ حضرت کی زیارت کرے، تو احقر اور دو ساتھی جو ہمارے مدرسہ رائیگٹ ضلع لدھیانہ میں مدرس تھے، تینوں مولانا عبد اللہ صاحب کے گاؤں میں گئے، بعد مغرب پہنچے حاضری ہوئی حضرت اقدس قدس سرہ کی خدمت میں مولانا عبد اللہ صاحب نے تعارف کرایا کہ یہ حضرت شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ کا خادم اور میرا استاد ہے۔ حضرت اقدس کنڈیاں والے اٹھ کر معافہ کر کے ملے۔ بہت مسرت کا اظہار فرمایا، فرمایا حضرت شاہ صاحب بڑے کاملین میں سے تھے، اب علماء کی پیاس کو کون بجھائے گا؟ طلبہ کو تو حدیث پڑھانے والے مل ہی جائیں گے لیکن علماء کی مشکلات کو کون حل کرے گا۔

فرمایا جب میرا الزکا دیو بند پڑھتا تھا تو میں بھی دیو بند حاضر ہوا تھا اس وقت حضرت شاہ صاحب ہی حدیث کے مدرس تھے، لڑکے نے اپنے کمرہ میں حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن کی دعوت کی، دونوں حضرات تشریف لائے، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب سے چونکہ پہلے سے بے تکلفی تھی، لیکن حضرت شاہ صاحب سے مجھے حجاب رہا، پھر جب مولانا حسین علی صاحب نے میانوالی میں دعوت محکمہ دی، اور حضرت میانوالی تشریف لے گئے میں بھی وہاں موجود تھا، میں نے اپنے یہاں تشریف لے چلنے کو عرض کیا تو بخوشی منظور فرمالیا۔

پھر ہمارے ہاں تشریف لائے تو میں نے کتب خانہ کی زیارت کرائی جس سے حضرت کا دل باغ باغ ہو گیا، پھر میں نے لوگوں کو باہر نکال دیا، اور

حضرت شاہ صاحب نے خوب کتب خانہ کی سیر کی، ”تیسیر الاصول“ حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجھ سے دو ماہ کے لئے مستعار دیو بند لے گئے۔ اور پھر دو ماہ کے بعد واپس فرمائی، اور مجھے خط میں تحریر فرمایا کہ جتنا عرصہ آپ کے ہاں قیام کیا میں اسے مفتحات زندگی میں سے سمجھتا ہوں، وہ خط میں نے محفوظ کر کے رکھ چھوڑا ہے، افسوس کہ قیام خانقاہ سراجیہ (کنڈیاں) میں صرف ایک دن رہا، حضرت شاہ صاحب کے پاس وقت کم تھا اگلے روز حضرت شاہ صاحب کی تصانیف کا ذکر فرماتے رہے۔ فرمایا میں نے حضرت کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا ہے، پھر احقر نے عرض کیا کہ ”ضرب الحاقم علی حدود العالم“ اور ”مراقاة الطارم“ بھی حضرت کے پاس ہیں۔ فرمایا وہ تو ہم نے تیر کا رکھ چھوڑی ہیں اس میں دقیق اباحت ہیں۔ پھر احقر رخصت لے کر چلا آیا، پھر مولانا عبد اللہ صاحب تو بار بار ملتے رہے۔ لیکن حضرت کنڈیاں والوں کی زیارت نہ ہو سکی، پھر سنا کہ کانپور میں حضرت کا وصال ہو گیا ہے، تابوت کنڈیاں لایا گیا پھر ایک رسالہ میں حضرت کا وصیت نامہ پڑھا۔ اور مولانا عبد اللہ صاحب کو چائین اور کتب خانہ کا منتظم بنانا بھی پڑھا ہاں حضرت کنڈیاں والوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اور لوگوں نے تو استفادہ کیا افسوس کہ میں چونکہ کھانے کے انتظام میں تھا میں استفادہ نہ کر سکا۔

کسی نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ انہوں نے (حضرت اقدس کنڈیاں والوں نے) ایک رسالہ لکھا ہے خضاب کے متعلق، میں جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ آپ نے کوئی رسالہ خضاب کے متعلق لکھا ہے عرض کیا

ہاں کچھ لکھا تو ہے، فرمایا کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں، میں نے نکال کر پیش کیا غور سے دیکھتے رہے، پھر کچھ فرمایا نہیں۔

ایک دفعہ ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں مولانا عبد اللہ صاحب تشریف لائے تو حضرت شاہ عبد القادر صاحب راپوری نے فرمایا کہ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں کتنا عرصہ رہے، تو مولانا عبد اللہ صاحب نے فرمایا کہ چودہ سال قیام کیا۔

جب احقر ۱۹۲۲ء میں لدھیانہ مدرسہ عزیز یہ میں پڑھاتا تھا تو مولانا عبد اللہ صاحب نے احقر سے تہذیب اور شرح تہذیب، شرح ملا جامی، کنز الدقائق پڑھی تھی۔ پھر اچھرہ لاہور چلے گئے تھے ۱۹۲۶ء میں حدیث دیوبند حضرت شاہ صاحب قدس سرہ سے پڑھی۔

مولانا عبد الغنی صاحب کی خدمت میں اس احقر ہی نے ذکر کیا کہ جس کو مولانا محمد نذیر صاحب عرشی شارح مینوی نے تحفہ سعدیہ میں درج کیا ہے لیکن افسوس شاید الفاظ مولانا عبد الغنی صاحب کو یاد نہیں رہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کو حضرت مولانا عبد الغنی صاحب بلیر کوٹلہ پر بڑی شفقت تھی۔ ایک دفعہ لدھیانہ مدرسہ بستان الاسلام کے جلسہ میں تشریف لائے، مولانا بدر عالم میرٹھی بھی ساتھ تھے۔ مولانا بدر عالم صاحب احقر کے دیوبند میں رفیق ہیں، مدینہ منورہ بارہا ملاقات ہوئی ہے، مولانا عبد الرشید مرحوم سے فرمانے لگے: مولانا عبد الرشید صاحب یہ مولانا عبد الغنی صاحب ہمارے دوست ہیں، یہ علماء آخرت میں سے ہیں۔

ایک دفعہ مالیر کوٹلہ کے جلسہ میں تشریف لائے احقر نے عرض کیا کہ احقر بفضلہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کا پیرو ہے۔ اور بیعت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر کی ہے، اور حدیث اپنے حضرت شاہ صاحب کشمیری سے پڑھی ہے، خدا کے کرم سے امید کرتا ہوں کہ بخشا جاؤں گا بطفیل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس مجلس میں حضرت شاہ صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ مولانا عبد الغنی اگلی صبح کو سویرے ہی بخاری شریف لے کر خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے کہ حضرت مجھے بھی شاگردی میں لے لیں اور بخاری شریف شروع کرا دیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے قبول فرمایا اور ابتدائی حدیث شروع کرا دی۔ اور اجازت بھی دے دی۔

قرآن کریم میں تنسیخ آیات

فرمایا کہ قرآن میں نسخ کے متعلق قدماء میں بھی بہت توسع ہے کہ ان کے نزدیک عام کی تخصیص اور خاص کی تعمیم بھی نسخ ہے، ایسا ہی مطلق کی تنقید اور تنقید کا اطلاق اور استثناء اور ترک استثناء بھی نسخ ہے، ایسے ہی حکم کا انتہا اس کی علت کے انتہا کی وجہ سے بھی اس میں داخل ہے، متاخرین کی سعی اسی میں رہی کہ نسخ میں کمی ثابت کی جائے، حتیٰ کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف بیس آیات کو منسوخ مانا ہے، اور ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صرف پانچ جگہ نسخ تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو الفوز

(الکبیر)

میرے نزدیک قرآن متلو میں کوئی آیت بالکلیہ منسوخ نہیں کہ اس کا کوئی نکل ہی نہ نکل سکے، بلکہ اس کا حکم کسی مرتبہ میں مشروع ضرور رہے گا۔ فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اگر ہم باری تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح کا اعتبار کریں تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ زمانہ، مکان اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہیں چنانچہ دوا گرم مزاج مزاج بارد اور موسم گرم اور سرد ہوتا ہے، اور مزاج گرم اور موسم گرم میں مضر ہوتی ہے۔ اور چونکہ زمانہ ازل سے اب تک واقعات جزئیہ پر منقسم و موزع ہے، ظہور و خفا، سابق اور لاحق، اعدام ایجاد وغیرہ یہ سب کچھ ہمارے اعتبار سے ہے، یعنی بہ نسبت اہل زمان اور زمانیات کے اعتبار سے ہے، لیکن باری تعالیٰ کی نسبت سے تو ہر چیز اپنے وقت پر واقع ہے بغیر تغیر و تبدل کے۔

حاصل یہ ہے کہ علم ازلی میں ہر ایک چیز کی ایک انتہا ہے، لیکن مکلفین اس غایت اور انتہاء کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے احوال کے قرائن سے گمان کر لیتے ہیں کہ یہ حکم دائمی ہے جب باری تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کی انتہا ظاہر ہوتی ہے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا، اور دوسرا حکم اس کا نسخ ہے۔ مکلفین چونکہ قاصر العلم ہیں یہ تقدم اور تاخر اور یہ تجدید و تغیر ان کے اعتبار سے ہے لیکن باری تعالیٰ کے اعتبار سے یہ سب کچھ اپنے وقت مقررہ پر ہے کچھ تغیر و تبدل تقدم و تاخر نہیں، اور یہ معاملہ صرف احکام شرعیہ ہی

میں نہیں بلکہ ہر شے میں جاری و ساری ہے، اور جو کوئی اس نسخہ و وجود کا، کہ بے انتہاء حوادث متعاقبہ پر مشتمل ہے، بنظر غائر مطالعہ کرے گا سمجھ لے گا کہ اس کا پڑھنے والا ایک ایک سطر اس کتاب کی پڑھ کر جا رہا ہے اور کلمہ بعد کلمہ اس کی زبان سے گزر رہا ہے، جب چند سطور یا کلمات ختم ہوتے ہیں تو چند سطور اور کلمات سامنے آ جاتے ہیں، جو منشی ہو گیا وہ وجود لفظ سے محو ہو گیا، جو کلمات بعد میں آئیں گے وہ وجود لفظ کی لوح پر ثابت ہو جاتے ہیں، یہ محو و اثبات ہمیشہ جاری رہتے ہیں اس کو کتاب الحوادث اثبات کہتے ہیں۔ اور اگر اس مجموعہ کو ہیئت اجتماعی (کہ علیم و حکیم نے مبادی اور مقاطع کے ساتھ مرتب کیا ہے) ملاحظہ کرے گا، یعنی بغیر تلاوت اور یکے بعد دیگرے کلمات کے آنے سے اس کو ”ام الکتاب“ کہتے ہیں، یہیں سے اس آیت مبارکہ کے معنی بھی کھل گئے یمحو الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب، بعض محققین اس مجموعہ دفعی کا ”مرتبہ قضاء“ نام رکھتے ہیں، اور ظہور تدریجی کو مرتبہ قدر کہتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں (لامشاحۃ فی الاصطلاح)

بعض لوگ نسخ کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے بدا لازم آتا ہے۔ اور ہماری تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ بدا اور چیز ہے اور نسخ اور چیز ہے، کیونکہ نسخ تو حسب اوقات مختلفہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کا نام ہے، بدا یہ ہے کہ باری تعالیٰ پر غیر ظاہر مصلحت ظاہر ہو گئی، بدا میں تو غیر ظاہر مصلحت کا ظہور ہے پس فرق ظاہر ہو گیا، نسخ بدا کو تو تب مستلزم ہوتا جب اتحاد فضل، اتحاد وجہ، اتحاد مکلف، اتحاد وقت ہو اس قسم کا نسخ تو محال ہے کہ ان چار شرائط کے

ساتھ واقع ہو کیونکہ نسخ میں یا فعل مختلف ہوتا ہے مثلاً عید کے دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہو گیا، اور نماز عید کی واجب ہو گئی۔ یا وجہ فعل کی بدل جاتی ہے مثلاً پہلے صوم یوم عاشوراء واجب تھا پھر منسوخ ہو کر مستحب ہو گیا۔ یا مثلاً وقت مختلف ہوتا ہے، مثلاً استقبال بیت المقدس ایک زمان میں تھا اور استقبال کعبہ شریف دوسرے زمانہ میں تاابد ہو گیا، فoul و جھک شطر المسجد الحرام، خود ظاہر کرتا ہے۔ یا مکلفین بدل جاتے ہیں، مثلاً مال زکوٰۃ بنی ہاشم پر حرام ہے، اور ان کے غیر کو حلال ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ قرآن عزیز میں کوئی حرف زائد نہیں کہ جس کو معنی کی تصویر میں دخل نہ ہو، بہاد لپور کے مقدمہ کے سفر میں فرمایا کہ میں نے ایک نعتیہ کلام میں مستدرک حاکم کی ایک حدیث ہی بعینہ رکھ دی ہے:

اے آنکہ ہمہ رحمت مہدایہ قدیری
باران صفت و بحر سمت ابر مطیری

انصار حمة مہدایہ حدیث شریف ہے مستدرک حاکم میں یہ حدیث موجود ہے۔ پھر کچھ اشعار بھی سنائے (اور مشکوٰۃ میں بھی ہے)

معراج تو کرسی شدہ وسیع سادات

فرش قدمت عرش بریں سدرہ سریری

برسر فرق جہاں پایے پائے تو شدہ ثبت

ہم صدر کبیری و ہمہ بدر منیری

ختم رسل، نجم سبل، صبح ہدایت
 حقا کہ نذیری تو والحق کہ بشیری
 آدم بھف محشر و ذریت آدم
 در ظل لوایت کہ امامی و امیری
 یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا
 تا مرکز عالم توئی بے مثل و نظیری
 ادراک ختم است کمال است بختتم
 عبرت بخواتیم کہ در دور اخیری
 امی لقب و ماہ عرب مرکز ایمان
 ہر علم و عمل را تو مداری و مدیری
 عالم ہمہ یک شخص کبیر است کہ اجمال
 تفصیل نمودند دریں دیر سدیری
 ترتیب کہ رتبی ست چودا کردہ نمودند
 در عرصہ اسراء تو خطیبی و سفیری
 حق است و حقے است چو ممتاز ز باطل
 آن دین نبی ہست اگر پاک ضمیری
 آیات رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر
 آیات تو قرآن ہمہ دانی ہمہ گیر

آن عقدہ تقدیر کہ از کسب نہ شد حل
 حرف تو کشودہ کہ خبیری و بصیری
 اے ختم رسل امت تو خیر ام بود
 چوں شمرہ کہ آید ہمہ در فصل اخیری
 کس نیست ازیں امت تو آنکہ چو انور
 باروئے سیاہ آمدہ و موئے زریری
 ☆☆☆

ایک دفعہ جب ابھی حضرت شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند ہی میں تھے، احقر زیارت کی غرض سے حاضر ہوا، مولانا حافظ غلام محمد لدھیانوی خطیب مسجد جہانیاں منڈی، ضلع ملتان کو خدمت میں حاضر کر کے عرض کیا کہ اگر حضرت قصائد عربی و فارسی عنایت فرمادیں تو یہ مولوی صاحب اعلیٰ درجہ کے کاتب ہیں یہ لکھ دیں گے اور احقر طبع کرادے گا، لوگوں کو اس سے علمی استفادہ کا موقع مل جائے گا، بہت خوش ہوئے فرمایا کہ میں انہیں تھوڑے تھوڑے دیتا رہوں گا یہ جوں جوں کتابت کرتے جائیں گے میں دیتا جاؤں گا، پھر یکا یک ڈابھیل جانے کا ابتلاء پیش آ گیا، اور وہ تجویزیوں ہی رہ گئی، مولانا غلام محمد صاحب بھی بیمار ہو کر وطن تشریف لے آئے۔ مگر میرے خیال میں رہا کہ یہ کام ہو جائے تو ہے نصیب، لیکن خدا تعالیٰ کو منظور کچھ اور ہی تھا، کہ حضرت کا مرض بوا سیر ترقی کر گیا، تا آنکہ مئی ۱۹۳۳ء مطابق ۳ صفر

۱۳۵۳ھ میں وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر ۱۹۴۶ء میں مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کا والا نامہ لدھیانہ سے مجھے رائیکوٹ ملا، بعینہ درج کیا جاتا ہے۔
محترم و کرم!

السلام علیکم۔ برادر عزیز مولوی سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر نے حضرت استاد مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند عربی و فارسی قصائد میرے پاس بھیجے ہیں تاکہ میں ان کو طبع کرادوں یا ان کا کسی تاجر سے معاملہ ہو جائے مگر یہ خدمت تب ہی ہو سکتی ہے کہ ان تمام قصائد کا اردو زبان میں ترجمہ اور شرح بھی ہو جائے اور باقاعدہ مرتب بھی ہو جائے، اس کام کو آپ سے بہتر کوئی انجام نہیں دے سکتا، اگر تکلیف نہ ہو تو یہ خط دیکھتے ہی ایک دن کے لئے تشریف لے آئیں تاکہ میں بتا سکوں کہ میں اس سلسلے میں کیا چاہتا ہوں۔ والسلام۔

از لدھیانہ حبیب روڈ ۲۹ دسمبر ۱۹۴۶ء

حبیب الرحمن

ان ہی ایام میں حضرت اقدس رائے پوری کا والا نامہ آیا تھا، کہ حضرت مدنی کے امیدواروں کو کامیاب بنانا ہے میاں تاج الدین انصاری اور جمعیۃ العلماء کے نمائندے یکے بعد دیگرے آنے لگے، احقر کو کھینچ تان

کر لے گئے، احقر کئی ماہ تو گھر سے باہر دیہات ہی میں پھرتا رہا، میرے پاس دیوبند سے حضرت مدنی بھی تشریف لائے اور ساتھ لے گئے۔

مولانا محمد علی جالندھری کے بھی خطوط آنے لگے اور کئی بار احقر کو اوگی ضلع جالندھر جانا پڑا، یہ احقر کا آبائی گاؤں بہت بڑی بستی ہے۔ مولوی محمد علی جالندھری کا پہلا پولنگ اسٹیشن تھا، پھر تھوڑے دنوں کے بعد ملک میں فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور ملک بدل گیا اور سارا نظام ہی درہم برہم ہو گیا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب بھی اگر علماء التفات فرمائیں تو یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ تقریر دلپذیر حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اور ”اکفار الملحدین“ اور ”عقیدۃ الاسلام“ حضرت شاہ صاحب کے اور ”صدع الثقاب عن جسامۃ الفجاء“ اور ”ضرب الخاتم“ جب تک داخل درس نہیں کریں گے طلبہ پر مسائل اور عقائد کی حقیقت نہیں کھل سکتی، علمی رنگ میں حل مسائل کا جب ہی ہوگا۔

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے ایک ایک شعر ضرب الخاتم کا حل کیا ہے۔ افسوس وہ خطوط ہمیں دستیاب نہ ہو سکے، جو حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر اقبال کو تحریر کئے۔ بعض خطوط تو تیس تیس صفحات پر پھیلے ہوئے تھے، معلوم نہیں کہ علمی ذخیرہ کہا کھویا گیا، خود فرماتے تھے، جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر محمد اقبال نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا۔

ڈاکٹر صاحب علوم قرآن و حدیث پر کافی دسترس رکھتے تھے اور

مولانا امیر حسن صاحب سیالکوٹی مرحوم سے باقاعدہ پڑھا تھا۔

حضرت کا قصیدہ ”صدر الثقاب“ جب حضرت مولانا احمد علی لاہوری کا پہلا جلسہ ۱۹۲۳ء میں ہوا اور تمام علماء دیوبند کا اجتماع ہوا تو مولانا محمد ادریس سیکروڈوی خادم حضرت شاہ صاحب، حضرت شاہ صاحب کی تصانیف بھی ساتھ لاہور لائے یہ قصیدہ بہت فروخت ہوا، لوگوں نے اس کو استحسان کی نظر سے دیکھا، وہ یہ ہے:

(چند اشعار بطور نمونہ از خروارے درج کئے جاتے ہیں) قصیدہ ۶۱ (اکٹھ) اشعار پر مشتمل ہے۔

ألا يا عباد الله قوموا قوموا

خطوبوا امت مالہن یدان

اے اللہ کے بندو اٹھو اور ناقابل برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں ان کو درست کرو۔

یسب رسول من أولى العزم فیکم

تکاد السماء والأرض تنفطران

ایک اولو العزم پیغمبر کو تمہارے اندر برا بھلا کہا جا رہا ہے جس سے قریب ہے آسمان اور زمین پھٹ پڑیں۔

وحارب قوم ربہم ونیہم

فقوموا النصر الله اذ هو دان

اور ایک قوم نے اپنے خدا اور نبی سے لڑائی باندھی، تم اللہ کی مدد کے

لئے کھڑے ہو جاؤ جو کہ نزدیک ہے۔

وقد عیل صبری فی انتہاک حدودہ

فہل ثم داع او مجیب اذان

اور خدا کی حدود توڑے جانے کے باعث میرا صبر مغلوب ہو گیا پس ہے کوئی اس جگہ بلانے والا یا میری آواز کا جواب دینے والا؟

واذ عز خطب جنت مستنصر اہکم

فہل ثم غوث یا لقوم یدان

اور جب مصیبت حد سے بڑھ گئی تو میں تم سے مدد چاہنے آیا، پس اے میری قوم ہے کوئی فریادرس جو میرے قریب ہو۔

لعمری لقد نبہت من کان نائما

واسمعت من کانت له اذانان

قسم ہے مجھے کہ میں نے سوئے کو جگایا اور جس کے کان تھے اس کو ستایا۔

ونادیست قوما فی فریضة ربہم

فہل من نصیر لی من اهل زمان

اور قوم کو اس کے خدا کے فریضہ کی طرف بلایا، پس ہے کوئی جو میرا مددگار ہو زمانے والوں میں سے۔

دعوا کل امر استقیموا المادھی

وقد عاد فرض العین عند عیان

سب کچھ چھوڑ دو اور جو مصیبت درپیش ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر آنکھ کھول کر دیکھا جائے تو ہر شخص پر فرض عین ہو گیا ہے۔

پھر اگلے اشعار میں دلائل اور شواہد ذکر فرمائے گئے ہیں، یہ قصیدہ اس لائق ہے کہ علماء طلباء کو یاد کرائیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام اعظم نے ایک صاحب کو تعزیت نامہ لکھ کر بھیجا۔

إننا نغزيك لا ان على ثقة

من البقاء ولكن سنة الدين

فلا المعزى بياق بعدمية

ولا المعزى إن عاشا إلى أحين

(ترجمہ) ہم آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا کچھ اعتبار نہیں، لیکن یہ سنت ہے دین کی، پس نہ تو معزی باقی رہے گا اپنی میت کے بعد نہ تعزیت کرنے والا اگر چہ ایک زمانے تک جیتے رہیں، (آخر سب کو موت ہے)

جب قضا ٹھہری تو پھر کیا سو برس یا ایک دن (محمد غفرلہ)

فرمایا حافظ ابو زرہ رازی نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزار ہا گھر جل گئے اور قرآن بھی جلے لیکن یہ آیات نہ جلیں۔

﴿ذالك تقدير العزيز العليم﴾ ، ﴿وعلى الله فليتوكل

المؤمنون﴾ ، ﴿ولا تحسبن الله غافلا عما يعمل الظالمون﴾ ،

﴿وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها﴾ ، ﴿وقضى ربك أن لا

تعبدوا إلا إياه﴾ ، ﴿تنزيلا ممن خلق الأرض والسموات

العلی، الرحمن علی العرش استوی، له ما فی السموات وما

فی الأرض وما بینهما وما تحت الثری﴾ ، ﴿یوم لا ینفع مال

ولا بنون إلا من أتى الله بقلب سلیم﴾ ، ﴿انثیا طوعا أو کرها

قالنا أتینا طانعین﴾ ، ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا

لیعبدون﴾ ، ﴿إن الله هو الرزاق ذو القوة المتین﴾ ، ﴿وفی

السماء رزقکم وما توعدون، فرب السماء والأرض إنه

لحق مثل ما أنکم تنطقون﴾.

☆..... فرمایا تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دوکان گھریا سامان میں رکھنا حفاظت کے لئے مجرب ہے۔

☆..... فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت پڑھ کر پانی پر دم کریں تو لا علاج مرض کے لئے مفید ہے، یہ ایک سو چودہ دم ہو گئے۔

☆..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بعض بعض علاقوں میں بھیج دیا تھا مثلاً ابوالدرداء کو شام کی طرف تعلیم

کی خاطر بھیجا تھا، اور حضرت ابن مسعود کو کوفہ کا بیت المال سپرد کیا، اور حضرت عمار کو امامت کے لئے بھیجا تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا امیر بنایا تھا اور حضرت فاروق اعظم نے کوفہ کو چھاؤنی بنایا تھا۔ اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک فرقیہ میں چھ سو صحابہ آباد تھے۔ الحاصل صحابہ کرام مختلف بلاد میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم و کلمہ اسلام کو پھیلانے کے لئے نکل گئے تھے۔

سواگر مالکیہ کو فخر ہے اس بات پر کہ ان کا امام دارالہجرۃ کے رہنے والے تھے تو ہمیں بھی یہ مسلم ہے کہ واقعی امام مالک امام دارالہجرۃ تھے، لیکن امام ابوحنیفہ کو بھی اس میں فوقیت حاصل ہے کہ اکثر صحابہ عراق میں بس گئے تھے، اور وہیں علم نمودن ہوا، کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء حضرت علی مرتضیٰ سے ہوئی، آپ نے ایک آدمی کو سنا کہ یہ آیت: **إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ** ورسولہ، میں رسولہ کو کسرہ سے پڑھ رہا تھا تو آپ کو فکر ہوئی کہ امت کو ان مبالغہ سے کیسے بچایا جائے؟ تو آپ نے ابو الاسود دؤلی کو فرمایا کہ ایک قانون ایسا بناؤ کہ خطا لفظ سے لوگ محفوظ رہیں، پھر خود آپ نے ان کو ایک اصول بتایا: **كل فاعل مرفوع، وكل مفعول منصوب وكل مضاف إليه مجرور**۔

پھر فرمایا: **انح نحوہ**، پھر اسود دؤلی نے اس کی تدوین افعال تعجب سے شروع کی، حضرت علیؑ نے تصویب فرمائی، پھر حروف مشبہ بالفعل لکھے، مگر و لکن چھوڑ گئے، حضرت علیؑ کے فرمانے پر اس کو بھی لکھا، غرض حنفیہ کو بھی فضیلت ہے۔

☆..... فرمایا کہ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے: **"إِنَّمَا أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي"** یہ دیکھنا بطور معجزہ تھا، ایسا ہی ثابت ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے، اور فلسفہ جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قوت باصرہ تمام اعضاء انسانی میں ہے۔

☆..... **اركعوا وراقموا الوكوع** میں فرق ہے ثانی الیخ ہے، اس لئے کہ یہ لفظ وہاں مستعمل ہوتا جہاں **لولاہ** **لأنعدم الشیء** مراد ہوتا ہے، لہذا ترجمہ قول **بقيمون الصلاة** کا یہ کریں گے کہ برپا رکھتے ہیں نماز کو حتیٰ کہ اگر برپا نہ رکھے تو اس کی ہستی جاتی رہتی۔

☆..... ہمارے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ **سبحانک الہم وبحمدک** بعد تکبیر کے پڑھے، اور مسلم شریف میں آیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اس کو جہرا پڑھا ہے، یہ محض تعلیم تھا، امام شافعی کے نزدیک مختار اللہم باعدہ ہے یہ سند کے اعتبار سے قوی ہے، اور جو ہمارا مختار ہے وہ قوت تعامل کے اعتبار سے قوی ہے، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی وہی پسند کرتا ہوں جس کو حضرت عمرؓ نے پسند فرمایا۔

☆..... یہ بھی خوب یاد رکھنا چاہیے کہ قوت سند پر اغتراء اور تعامل سلف سے اغماض بہت دفعہ مضرت ثابت ہوا ہے کہ اسناد تو دین کی صیانت کے لئے تھی پس لوگوں نے اسی کو پکڑا حتیٰ کہ تعامل سے اغماض ہوتا چلا گیا حالانکہ میرے نزدیک فیصلہ تعامل سے ہی ہو سکتا ہے۔

☆..... فرمایا کہ سورۃ منزل میں نصف بدل واقع ہو رہا ہے اللیل سے، اس لئے کہ ثلث تو عشاء کے لئے مخصوص کیا گیا نصف سے جب قلیل کی کمی کی گئی تو ثلث رہ گیا اور اگر نصف میں زیادتی کی تو ثلثین قیام لیل کے لئے رہ گیا، اور منہ اور علیہ کی ضمیریں نصف کی طرف عود کرتی ہیں، بہر حال محور نصف لیل ہے یہی کلبی اور مقاتل سے منقول ہے، اور تبریزی سے بھی منقول ہے کہ مادون الثلث قلیل ہے، حدیث میں ہے کہ الثلث کثیر، گویا عبارت یوں ہے:

قم الليل إلا قليل نصفه أو انقص منه قليلا أو زد عليه
ای اوقع القيام في هذا الوقت المعلوم على هذه الصور.

قرآن عزیز نے پہلے سے ثلث لیل عشاء کے لئے لے لیا چنانچہ ثلث لیل تک نماز عشاء مستحب ٹھہرائی گئی، کمافی الاحادیث باقی حکم اس کے ماسوا کی طرف پھیرا گیا اور اس کا محور نصف لیل رکھا گیا، اور اس پر کم کرنا یا زیادہ کرنا دائر کیا گیا۔ گویا اپنی طرف سے تو نصف ہی مقرر کرتے ہیں اور اس سے کچھ کم کرنا یا زیادہ کرنا سو مصلیٰ کو اختیار دیتے ہیں: من الليل فتهجد

به نافلة لك میں بھی کل لیل کا احصاء مطلوب نہیں۔

☆..... فرمایا کہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وتر کی روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وتر بھی پڑھا ہے، یہ روایت دارقطنی میں مختصر آئی ہے اور امام بخاری نے اس کو مفصل ذکر کیا ہے۔

شیخ نبوی نے اسے ایک وتر کی دلیل بنایا ہے امام بخاری نے اس میں تیرہ رکعات صلاۃ اللیل ذکر کی ہیں ان دونوں کی ایک ہی سند ہے، ایک ہی متن ہے، یہ راوی کا تظن ہے جب جمع طرق حدیث جمع نہ کئے جائیں تو ایسا مغلطہ لگ جاتا ہے۔

☆..... فرمایا یا ایہا المزمل (الآیۃ) میں رات کے تین حصے کر دیئے، ثلث تو عشاء کے لئے خاص کر دیا اور ثلث لیل آخر نوافل کے لئے پھر سدس لیل کو دونوں کے لئے صالح بنایا، اگر اس میں عشاء ادا کی تو نصف لیل عشاء کے لئے ہو گیا، اور اگر نوافل ادا کئے تو دو ثلث لیل ہو گئے، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو چاہیے کہ نصف مد نظر رکھیے تاکہ آپ تقسیم کر سکیں (رات کو تقسیم کر سکیں عشاء اور صلاۃ اللیل میں) نصف میں جب سدس لیل مل گیا تو دو ثلث نوافل کے لئے نکل آیا، خوب سمجھ لینا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب اکثر اوقات یہ تقریر فرمایا کرتے تھے۔

☆..... جب احقر حضرت کے وصال پر دیوبند حاضر ہوا تو غالباً مفتی عتیق الرحمن فرماتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب حیدر آباد وکن تشریف لے گئے تو مولانا حبیب الرحمن شیروانی صدر یار جنگ زیارت کے لئے تشریف لائے ان کے سوال پر تقریر فرمائیں اور یا ایہا الملہم کی تفسیر فرمائی، مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ حضرت بس مسئلہ خوب ذہن نقیض ہو گیا مجھے بڑا اخلجان رہتا تھا اب صاف ہو گیا۔

مفتی عتیق الرحمن نے بیان فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کے سفر آخرت فرمانے سے چند یوم قبل درود دولت پر حاضر ہوا، فرمایا کہ میں نے کبھی پیشگوئی نہیں کی اب تو دو باتیں ذہن میں آگئی ہیں عرض کر ہی دیتا ہوں۔ ایک یہ کہ حضرت شیخ الہند کے علوم کی خوب اشاعت ہوگی دوم ہندوستان ضرور آزاد ہوگا، اس لئے کہ مظالم کی انتہا ہوگئی۔ یہ جب کی بات ہے جب کہ حضرت شاہ صاحب کا وصال کا تار آیا، اور ایک ساتھی کے ہمراہ دیوبند حاضر ہوا تھا یہ واقعہ رانگیوٹ ۱۹۳۳ء کا ہے۔

☆..... ۱۳۳۸ء میں جب شیخ الہند ہندوستان میں واپس تشریف لائے اور مولانا سراج احمد صاحب نے چند اشعار فرمائے تھے، (مولانا مرحوم اردو کے بہترین شاعر بھی تھے) دیوان حماسہ تو حفظ یاد تھا، کئی ماہ تشریف آوری سے قبل فرما دیا تھا:

شیخ آنے کو ہے ساتھ ان کے فقی آنے کو ہے

فقی سے مراد مولانا حسین احمد مدنی ہیں۔ دیوبند کے ایک تعزیتی جلسہ میں حضرت مدنی نے فرمایا تھا:

حال من در ہجر حضرت کتراز یعقوب نیست

او پسر گم گردہ بود و من پدر گم کردہ ام

حضرت شیخ الہند کی تشریف آوری ہوئی تو ایک مخلوق جمع ہوگئی پنجاب سے ہزاروں علماء زیارت کے لئے دیوبند پہنچے، سندھ کے مشائخ میں سے حضرت مولانا تاج محمود امرولی بھی تشریف لائے تھے، یہ بزرگ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے مربی تھے، مولانا احمد علی کا بھی ان سے تعلق تھا۔

ف: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مترجم قرآن مجید تو خوب اشاعت پذیر ہوا، بجنور کے مطبوعہ قرآن مجید میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا، ششی محمد قاسم لدھیانوی مرحوم جن کا مولانا مجید حسن صاحب نے انتخاب کیا کتابت عربی رسم الخط کے استاد تسلیم کر لئے گئے تھے۔ صحت کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ اور بھی کئی ایڈیشن شائع ہوئے، لیکن وہ خوبی نظر نہیں آئی جو بجنور کے طبع شدہ قرآن عزیز میں تھی۔ ہانگ کا نگ میں بھی ایک ایڈیشن شائع ہوا، کاغذ تو نہایت اعلیٰ لگایا گیا لیکن صحت کا التزام نہیں کیا گیا پھر بھی غنیمت ہے لاہور میں تاج کمپنی نے بھی اعلیٰ معیار پر شائع کیا ہے، لاہور اچھرہ سے قاری عبدالرشید مالک ثورانی پریس نے بھی اس کو شائع کیا ہے۔ لیکن وہ بجنور والی بات کہاں؟

دوسری بات جو حضرت شاہ صاحب نے فرمائی تھی وہ بھی پوری ہوگئی، کاش انڈیا والے اس کی قدر کرتے۔ ۱۹۲۷ء میں ممبئی کے اواخر میں جب کشمیر طویل رخصت پر تشریف لے جا رہے تھے گوجرانوالہ دودن قیام فرمایا، مولانا عبدالعزیز صاحب محدث گوجرانوالہ سے بدائع الفوائد ابن قیم کی مستعار طلب کر رہے تھے کہ مولانا حسین احمد صاحب حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے ترجمہ قرآن پر فوائد لکھیں گے، مولانا ہم سے پوچھتے تھے تو وعدہ کر لیا تھا کہ ہم سامان آپ کو دیں گے مولانا عبدالعزیز نے یہ کتاب تازہ مصر سے منگائی تھی، اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں دکھانے کے لئے پیش کر رہے تھے۔

یہ بھی فرمایا قسطنطنیہ سے مولانا عبید اللہ سندھی کا ہمارے پاس خط آیا ہے کہ امام بقائی کی کتاب ”السلک الدرر فی نسق الآیات والسور“ آیات اور سورتوں کی ترتیب میں بہترین ہے، ایک زمانے میں ہم نے بھی یہ کتاب دیکھی تھی بڑی عمدہ کتاب ہے، لیکن مصنف چونکہ محترمی العقیدہ ہے اس لئے مجھے چنداں پسند نہیں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارن پوری قدس سرہ بھی کئی بار تشریف لاتے رہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی بھی دوبار تشریف لائے، حضرت شیخ الہند ترجمہ القرآن کا مقدمہ خود زبان مبارک سے سناتے تھے ان دنوں احقر دورہ کی جماعت میں شامل تھا، بیعت بھی چونکہ حضرت شیخ الہند سے تھی اس لئے کئی بار دن میں حاضری ہو جاتی تھی۔ اور حضرت کی زبان مبارک سے کئی بار یہ مقدمہ سنا۔

میرٹھ سے مولانا عاشق الہی میرٹھی مرحوم جب تشریف لائے تو بعد عصر خوب خوش ہو کر سنا رہے تھے ایسا ہی جب حضرت تھانوی تشریف لائے تو حضرت شیخ نے بڑے اہتمام سے سنایا۔

جب لدھیانہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے تو فرمایا ہم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے اور دیوبند میں بار بار مولانا شبیر احمد صاحب سے عرض کیا کہ سلف کے طریق پر ایک تفسیر لکھنی چاہئے جس میں موجودہ فتن کا رد ہو، دس پارے میں لکھتا ہوں اور دس دس آپ حضرات لکھیں، یا مولانا خلیل احمد صاحب کی بجائے مولانا شبیر احمد صاحب لکھیں پھر اس کو یورپ میں اعلیٰ کاغذ اور اعلیٰ طباعت سے شائع کیا جائے، تاکہ موجودہ دور میں ان فتن خصوصاً قادیانیت کا رد بھی ہو جائے اور محمد علی لاہوری کے الحاد اور دجل پر دنیا مطلع ہو سکے۔

پار سال ۱۹۶۴ء میں احقر کے نام جنوبی افریقہ سے متعدد خطوط آئے کہ ہم نے ایک سوسائٹی ترجمہ القرآن کرنے کے لئے بنائی ہے، یہاں کی زبان یا تو افریقی ہے یا لوگ اکثر انگریزی بولتے ہیں خاص کر یورپین لوگ اسلام کو سمجھنے کے لئے قرآن کا انگریزی ترجمہ چاہتے ہیں، آپ مشورہ دیں کہ ہم کون سا قرآن منتخب کریں؟ احقر نے ان کو لکھا کہ حضرت شیخ الہند کے ترجمہ کا قرآن شائع کریں اور ایسے عالم دین سے انگلش میں ترجمہ کرائیں جو دینی علوم کا بھی ماہر ہو اور انگریزی زبان پر پوری دسترس رکھتا ہو تاکہ عقائد

اور ان کا انگریزی ترجمہ کرنے میں دھوکہ نہ کھائے۔

الحمد للہ! ان لوگوں نے کروڑوں روپے سے یہ کام شروع کیا ہے خدا کرے تکمیل کو پہنچ جائے، اور حضرت شاہ صاحب کشمیری کے خواب کی تعبیر عملی جامہ پہن لے، اس اہم بات کو جس کے پاس بیان فرماتے اس وقت آپ کو بڑی ہی رقت ہوتی۔ اللہم برہم مضجعہ۔

☆..... بہاولپور کے مقدمہ میں شہادت کے لئے جب تشریف لے گئے تو ان دنوں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب دہلوی سنٹرل جیل ملتان میں تھے۔ حضرت نے بڑی لجاجت کے ساتھ دونوں حضرات سے ذکر کیا، مولانا احمد علی صاحب سے لاہور میں تاکید فرمایا کہ یہ کام ضرور کرو، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم حضرت رانچپوری کو سنا رہے تھے۔ (یہ لدھیانہ ہی کی بات ہے جب حضرت رائے پوری ۱۹۳۱ء میں لدھیانہ تشریف لے گئے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ میرے مکان پر لاہور سے اپریل ۱۹۳۳ء واپسی پر تشریف لائے، وزیر تعلیم عبدالحی ایڈووکیٹ حضرت کی زیارت کے لئے آئے، معاً حضرت نے فرمایا کہ وزیر صاحب کچھ فارسی کا بھی ذوق ہے؟ عرض کیا ہاں کچھ ہے۔ تو فوراً خاتم النبیین کا مسودہ نکال کر سنانے لگے، پھر فرمایا کہ اگر کچھ کرنا ہے تو دین محمدی کی کچھ خدمت کر جائیے۔

وہ منظر بھی آنکھوں کے سامنے ہے کہ جب بعد مغرب تابوت

حضرت شیخ الہند کا دہلی سے دیوبند اسٹیشن پر آیا، غالباً ربیع الاول ۱۳۳۹ھ تھا، تمام اکابر ساتھ تھے حضرت شاہ صاحب کے آنسو نہیں تھمتے تھے، طلباء و اہل دیوبند کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار کرنا مشکل تھا، جوں ہی ریل گاڑی بعد مغرب اسٹیشن دیوبند پہنچی سب کی بے ساختہ چیخیں نکل گئی، نہایت ادب کے ساتھ تابوت شریف باہر لایا گیا، اسٹیشن سے مدرسہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، تابوت اٹھائے ہوئے تھے، اور روتے ہوئی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے در دولت کی طرف آرہے تھے۔

حضرت شاہ صاحب بھی ساتھ ہی ساتھ روتے ہوئے تشریف لارہے تھے۔ خود فرماتے ہیں: ولسم أر مثل اليوم کم کان باکیا۔ یعنی اس دن کتنے لوگ رو رہے تھے۔ ایسا نظارہ میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔

پھر ایک دن تقریبی جلسہ ہوا، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت تھی سب ہی اکابر نے مرثیے پڑھے، حضرت شاہ صاحب کھڑے ہوئے آنسو جاری تھے۔ دو قصیدے ایک عربی مرثیہ جو فصل الخطاب کے آخر میں لگا ہوا ہے پہلے وہ پڑھا۔

قفا نبک من ذکری مزار فند معا

مصیفا ومشتا ثم مرأی ومسمعا

قد احتفہ الالطاف عطفاً وعطفہ

وبورک فیہ مربعا ثم مربعا

پھر فارسی کا طویل قصیدہ پڑھا سب حاضرین وقف گریہ دہکا تھے۔

بگذر از یاد گل و گلبن کہ ہجیم یاد نیست
در زمین و آسماں جز نام حق آباد نیست
بر رواں رہ رواں ہاں رحتے بفرستہ باش
حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست
شرح حال خود نمودن شکوہ تقدیر نیست
نالہ بر سنت نمودن نوحہ فریاد نیست

پھر فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی سنت کے مطابق حزن و ملال کا اظہار کیا ہے حضرت صدیق اکبر نے بھی مرثیہ پڑھا ہے اس لئے آفسو بہانا یا غم کا اظہار کرنا بدعت نہیں ہے، صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

(ف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے، حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر آپ نے فرمایا تھا، انا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون۔ اور آفسو جاری تھے طویل قصیدہ ہے بڑا دردناک رقت انگیز۔

☆..... ۱۹۲۹ء کے مارچ کے مہینہ میں لاہور میں خدام الدین شیرانوالہ گیٹ مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجتماع کیا، اس میں حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب مرحوم، مولانا حبیب الرحمن صاحب

لدھیانوی نے ولولہ انگیز تقریر کی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے شیخ کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیے تو حضرت شاہ صاحب کشمیری اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مظفر گڑھ کے جلسہ میں یہ عطاء اللہ صاحب بوقت شب میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھے کچھ ذکر اذکار تلقین کیجئے ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیا۔ پھر میں نے کہا کہ کچھ ردقادیات کے سلسلے میں سپاہیانہ خدمت کیجئے، لہذا میں آپ صاحبان کے سامنے ان کو امیر شریعت مقرر کرتا ہوں، آپ حضرات کو بھی ان کا اتباع کرنا چاہیے، سید عطاء اللہ صاحب کھڑے ہو رہے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب کشمیری کے بھی آفسو جاری تھے، بلکہ تمام مجمع پر رقت کا عالم تھا ہمارے حضرت رائے پوری بھی فرما رہے تھے کہ مولانا حبیب الرحمن اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب کو حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ردقادیانیت پر لگایا۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب خود حضرت رائے پوری کی خدمت میں سنا رہے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب کا وصال ہو گیا تو میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے ہمراہ تھانہ بھون گیا۔ حضرت تھانوی نہایت شفقت سے ملنے اور مجھے بغل میں لے کر مسجد کے حوض سے سدھری میں جہاں حضرت تھانوی بیٹھتے تھے لے گئے، میں نے عرض کیا کہ حضرت! اب آپ ہی ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں، ہمارے سر پرست تو رخصت ہو گئے تو حضرت تھانوی فرمانے لگے اجی شاہ صاحب کے کیا کہنے میں تو مولانا انور

شاہ کے وجود کو اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتا ہوں، جیسا کہ امام غزالی کے متعلق لکھا ہے۔

مولانا خیر محمد صاحب نے میانی افغانان ضلع ہوشیار پوری کے سفر میں جب کہ ہم دونوں وہاں جلسہ میں گئے تھے تو مولانا نے راستے میں بیان فرمایا تھا، یہ ۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے مولانا احقر کو سنا رہے تھے۔ قولہ تعالیٰ: ﴿بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول: ﴿لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً﴾ بیان کی اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ منشا تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں، ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو، ہاں عمل میں مخالفت کرتا ہو، مثلاً یقین سے جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے ایسا ہی زنا، چوری لواطت بھی حرام ہے، کبائر ہیں لیکن طبعی حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے، اس مرتبہ کا نام فسق و فجور عصیان ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دیا ہے۔ لیکن وہ ایک مدت مقررہ عند اللہ کے بعد ختم ہو جائے گا عذاب دائمی نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا یقین اور اعتقاد رائیگاں نہیں جائے گا، بلکہ عذاب سے نجات عطا فرمائے گا، یعنی عذاب دائمی نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو مثلاً جو چیز کہ نفس

الامر (حقیقت) میں ثابت ہے خواہ از قسم الہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو، یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو، اس کو حقو دا اور کفر، زندقہ اور الحاد کہتے ہیں، اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، اسی کو کہتے ہیں الفاسق لا یخلد فی النار، چونکہ ملت حقہ اس زمانے میں صرف یہود تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے وہ اپنی عبادت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا۔ اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا، اس فرقے نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنوں میں نہ کیا، اور کہہ دیا کہ ﴿لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ﴾۔ حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس طرح رد کر دیا کہ کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے ﴿أَتُخَدِّمُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ کیوں کہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں۔

پس نص صحیح غیر ماؤل جس کو عہد کہتے ہیں اس باب میں مفقود تھی، اور تاویلات اعتقادات اور اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

نیز یہ بھی کہ اس تحقیقی بیان سے ان کے شبہ کو حل فرما دیا کہ ﴿بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ﴾ کہ فساد علم و عمل اور خرابی عقیدہ و اعمال اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ برابر مقدار بھی ایمان باقی نہ

رہے، موجب خلود فی النار کا ہے جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو بظاہر کلمہ گوہی ہو اور دعویٰ بھی دین داری کا رکھتا ہو، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے، زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ ہمکنی دی ہے، والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

مراجعت کرو فتح العزیز کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے: ﴿وَاتَّبِعُوا مَا تَقُولُوا الشَّيَاطِينُ﴾ یعنی انہوں نے اتباع کیا اس کا جس کو پڑھتے ہیں شیاطین سلیمان علیہ السلام کے زمانے سے اب تک۔ ﴿وَمَا كُفِّرْ سَلِيمَان﴾ یعنی سحر اور اس کا مادہ کفر ہے یا مثل کفر کے ہے، ﴿وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ﴾ الخ۔ اس کا عطف ماقولہ پر ہے، اس سے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ہاروت و ماروت پر اترا تھا وہ سحر ہی تھا، بلکہ عطف تو مغائرت پر دلالت کرتا ہے، محض لفظوں میں قرآن کے باعث یہ وہم ہوتا ہے بلکہ وہ ایسے عزائم میں سے تھا جس کا مادہ شر نہ ہو بلکہ نتیجہ اس کا شر ہوتا ہے، مثلاً ادویہ طبعیہ مثلاً (ایسے قول اس کا لعاب پیتے ہیں اگر اس کو چبا لیں تو زہر ہو جاتا ہے) یا جیسے کہ عمل سفلی کرتے ہیں کسی کو ہلاک کرنے کے لئے حالانکہ کسی کو جان سے مار دینا یہ تو حرام ہے۔ ﴿حَتَّى يَقُولَ إِنَّمَا نَحْنُ فَتَنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ وہ دونوں یہ کہتے تھے کہ تو کفر نہ کر یو، یعنی ہم سے سیکھ کر اس کا غلط استعمال نہ کرنا، جس کا نتیجہ برا نکلے، اور غایت تشبیہ کے باعث اس کو کفر فرمایا گیا، اس واسطے بھی کہ وہ سحر کے ساتھ ملتبس ہوتا ہے،

مثلاً کوئی وظیفہ اپنی تکلیف رفع کرنے کے لئے سیکھے، پھر اس کو استعمال کرے، دوسروں کو ضرر پہنچانے کے لئے یہ منع ہے، تفریق زوج اور زوجہ میں توفیق ہے کفر نہیں ہے۔

اور بہت کم سلف ادھر گئے ہیں، کہ ہاروت و ماروت پر تعلیم دینے کے لئے سحر نازل ہوا تھا، بلکہ حضرت علی کے ایک اثر سے تو اسم اعظم تھا، دیکھو جو ابن جریر نے ربیع سے نقل کیا ہے، اور اس کو ابن کثیر نے جید کہا ہے، بلکہ تابعین کی ایک جماعت مثل مجاہد، سدی، ربیع ابن انس، حسن بصری، قتادہ، ابوالعالیہ، زہری سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حدیث مرفوع متصل صحیح سند سے صادق و مصدوق و معصوم سے ثابت نہیں، اور ظاہر قرآن بھی یہی چاہتا ہے، کہ اس اجمال پر ایمان لایا جائے بغیر اطناب کے۔ اور موضح القرآن میں یلحدون فی اسمائہ میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کو واضح ترین الفاظ میں لکھا ہے ﴿وَالَّذِي يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے وصف بتائے ہیں وہ کہہ کر پکارو، تاکہ تم پر متوجہ ہو اور نہ چلو کج راہ، کج راہ یہ ہے کہ جو وصف نہیں بتلائے بندہ وہ کہے، جیسا اللہ تعالیٰ کو بڑا کہا ہے لہذا نہیں کہا، یا قدیم کہا ہے پرانا نہیں کہا، اور ایک کج راہ یہ ہے کہ ان کو سحر میں چلائے، اپنے کئے کا پھل پار ہیں گے، یعنی قرب خدا نہ ملے گا، وہ مطلب ملے گا بھلا ہو یا برا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی تقریر کی جائے کہ یہود جو کچھ ہاروت و ماروت سے سیکھتے تھے وہ جو سحر انہوں نے شیاطین سے سیکھ رکھا تھا، ان دونوں

میں خلط ملط کرتے تھے، پس ظاہر اور غیر ظاہر کے ملنے سے خبیث پیدا ہو، لہذا وہ دونوں یوں کہتے تھے۔ فلا تکفر پس یہ ایسا ہوا جیسے قولہ تعالیٰ: ﴿بعضل بہ کثیرا ویہدی بہ کثیرا﴾ بس یہ باعث کفر کا بالذات نہ ہوا بلکہ بالعرض ہوا، جیسے علم دین پڑھے، لیجاری بہ العلماء أو لیجاری بہ السفہاء، پس وہ علم اس کے لئے وبال بن جاتا ہے۔ ایک جماعت سلف سے ادھر بھی گئی ہے کہ یہاں مانا فیہ ہے۔

☆..... ﴿کسان الناس امة واحدة﴾ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو موضح القرآن میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیجیں اور نبی متعدد بھیجے، اس لئے نہیں کہ ہر فرقے کو جدی راہ فرمائے، اللہ تعالیٰ کے ہاں تو ایک ہی راہ ہے جس وقت اس راہ سے کسی طرف بچتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجا کہ ان کو سمجھائے کہ اس راہ پر چلیں پھر کتاب والے کتاب سے بچ لے تب دوسری کتاب کی حاجت ہوئی، سب کتابیں اور سب نبی اسی ایک راہ کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ تندرستی ایک ہے اور امراض بے شمار، جب ایک مرض پیدا ہوا تو ایک دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا، جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا، اب آخری کتاب میں ایسی دوا بتلائی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے، یہ سب کے بدلے کفایت ہوئی۔

ہدایہ کے معنی طریق حق اور صواب کی طرف راہنمائی کرنا اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے، لوگوں نے اختلاف کیا، یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ اسلام لائے اور بعضوں نے ترک کر دیا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں لما اختلفوا فیہ من الاسلام ہے، البحر المحیط۔ چنانچہ ﴿وما تفرق الذین اوتوا الكتاب الا من بعد ما جاءتهم البینة وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الذین حنفاء﴾۔

(ف) معلوم ہوا کہ سب کو خلیف بننے ہی کا حکم ہوا ہے اور یہ اسلام ہی میں ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے واضح ہے۔

☆..... ابھی فروری ۱۹۶۵ء میں مولانا غلام نبی صاحب فاروقی شرق پور سے تشریف لائے مولانا فاضل دیوبند اور حضرت شاہ صاحب سے دورہ حدیث شریف پڑھا ہے، تقریباً ۲۳ گھنٹے قیام فرمایا، اور حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ فرماتے رہے، بڑے فاضل ہیں مردان کے علاقہ کے باشندے ہیں، جب میں نے باچشم نم بہاول پور کے مقدمہ کا تذکرہ کیا اور یہ کہ حضرت نے جامع مسجد بہاول پور میں وعظ فرمایا کہ میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور کا خط پہنچا کہ تو قادیانیوں کے خلاف شہادت دینے کے لئے آ، تو ہم نے سوچا کہ ہمارا اعمال نامہ تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات پیغمبر برحق کی شفاعت کا سبب بن جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانبدار ہو کر

بہاولپور میں آیا تھا، یہ سنتے ہی مولانا بے قرار ہو گئے اور رقت طاری ہو گئی۔

جب تک حضرت شاہ صاحب حسین حیات رہے حضرت مولانا احمد علی صاحب جلسہ کرتے رہے، جب وصال فرمایا پھر کبھی جلسہ نہیں کیا جب تک دہلی قیام رہا حضرت شاہ صاحب کی زیارت کے لئے دیوبند تشریف لاتے رہے، جب لاہور تشریف لے آئے اور حضرت شاہ صاحب ۱۹۲۱ء میں لاہور اچھرہ تردید قادیانیت کے سلسلہ میں تشریف لائے اور میاں قمر الدین صاحب مرحوم نے زیارت کی اور تقریر سنی، تو حضرت سے عقیدت ہو گئی۔ پھر لاہور وزیر خان کی مسجد میں مولانا دیدار علی کی مسجد میں حضرت شاہ صاحب نے جمعہ کی نماز پڑھائی، اور بعد نماز تقریر فرمائی تو مولانا نجم الدین پروفیسر اور ٹیل کالج لاہور بھی وہاں تشریف فرما تھے، فرمایا مولانا نجم الدین اور مولانا احمد علی بھی ہمارے علماء میں سے ہمارے ساتھ تھے۔

سب سے اول اہل لاہور کو حضرت شاہ صاحب کی زیارت کا موقع نصیب ہوا تھا، ڈاکٹر اقبال بھی اس وقت زیارت سے مشرف ہوئے تھے، احقر کا ان دنوں دورہ حدیث تھا، دیوبند واپس تشریف لے جا کر درس حدیث میں سارا سفر نامہ سنایا تھا۔

دسمبر ۱۹۳۲ء کے اواخر میں ڈابھیل حاضر ہو کر مولانا احمد علی صاحب دعوت دے کر آئے تو حضرت دو تین شب دیوبند ٹھہر کر لاہور جلسہ میں شرکت کی غرض سے تشریف لے آئے، مولانا حسین علی صاحب داں بھجراں، حضرت مولانا حسین احمد مدنی بھی تشریف لائے تھے۔ یہ جلسہ بڑی شان سے

ہوا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے صدارت فرمائی اور تقسیم اسناد بھی ترجمۃ القرآن سے فارغ التحصیل علماء کو فرمائی تھی، واپسی دیوبند کے سفر میں احقر بھی حضرت کے ہمراہ تھا، امرتسر پہنچ کر کھانا کھایا، مولانا غلام مصطفیٰ کشمیری جو کہ رشتہ میں بھانجے حضرت شاہ صاحب کے ہوتے تھے اور مولانا عبد اللہ صاحب فاروقی مرحوم بھی تھے، جب کھانا تناول فرمانے لگے تو ہم سب کو بھی شریک فرمایا احقر ادباً زمین پر بیٹھنے لگا تو نیچے کا کپڑا سر کا دیا، فرمایا اجی! اسے کیوں اٹھاتے ہو، اسے بچھا ہی رہے دو اس کے اوپر بیٹھ جاؤ، اب تکلف چھوڑو بے تکلف بیٹھو۔

پھر بعد فراغت طعام احقر نے کچھ باطنی حالات سنانے شروع کئے بڑے غور سے سنتے رہے پھر فرمایا کہ حالات سب مبارک ہیں، پھر دعا نئیں دیتے رہے، مولانا عبد اللہ صاحب مرحوم نے دریافت فرمایا کہ مولانا عبد القادر رائے پوری نے بھی آپ سے پڑھا ہے؟ فرمایا ہاں۔

☆..... امرتسر سے کسی صاحب نے پھلوں کی پیٹیاں ساتھ کر دیں، مولانا غلام مصطفیٰ کشمیری سے فرمانے لگے کہ کوئی پھل نکالو، پھر فرمایا کہ جب میں گھر جاتا ہوں تو بچے کچھ مانگتے ہیں تو اس لئے کچھ پھل خرید کر ساتھ رکھ لیتا ہوں، بعض دفعہ سہارن پور یا دیوبند ہی سے کچھ لے لیتا ہوں، بچے جب پوچھتے ہیں اباجی یہ وہیں سے لائے ہیں جہاں سے آپ آرہے ہیں تو چشم پوشی کرتا ہوں اور مسکرائے۔

☆..... بہاول پور کے سفر میں تشریف لے جاتے وقت یہ فرمایا کہ یہاں پر علماء سنٹرل جیل ملتان میں مقید ہیں ان سے ملاقات کر کے آگے جانا ہے اس لئے ملتان چھاؤنی کے سٹیشن پر اتر گئے۔

صبح صادق ہو چکی تھی جب گاڑی ملتان چھاؤنی پہنچی اترتے ہی پلیٹ فارم پر مجمع کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی، پھر مجلس احرار کے دفتر میں تشریف لائے، ان لوگوں نے وہاں چائے کا انتظام کر رکھا تھا، بہت مجمع ہو گیا بعض لوگ بیعت بھی ہوئے ان کو بیعت فرمایا، بعد نماز فجر کلمہ توحید سو بار اور بعد نماز عصر کلمہ تہجد سو بار بعد نماز عشاء درود شریف سو بار نماز کا درود تو بہت فضیلت رکھتا ہے، یا یہ درود شرف پڑھیں: اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد و صحب سیدنا محمد وبارک وسلم۔ اس کو درود مشہور کہتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ سہروردی طریقہ ہے، اس کو اوراد کہتے ہیں، جب تخلیہ ہوتا تو بیعت کرتے وقت دو اذہ تسبیح چشتیہ بھی تلقین فرماتے اور اس کا طریق بھی خود کر کے دکھاتے، خوب شہدہ سے اللہ اللہ اور لا الہ الا اللہ فرماتے کہ متوسط جہر کے ساتھ ذکر کرتے اس کو اذکار کہتے ہیں۔

ایک شخص نے کہا کہ مبسوط میں احادیث بہت ہیں، میری زبان سے نکلا کہ مبسوط میں احادیث مذکور نہیں وہ ایک متن فقہ کا ہے، فرمایا (ان مولوی صاحب کی طرف خطاب کر کے) کچھ ذخیرہ احادیث آپ کی نظر سے گزرا؟ احقر نے ان مولوی صاحب سے کہا کہ وہ جو آپ ذکر فرما رہے ہیں وہ تو شمس

الائمہ کی مبسوط ہے، اسکو بھی مبسوط ہی کہا جاتا ہے پھر کھانا تناول فرمایا، اور قبل ظہر ایک کوٹھی میں تشریف لے گئے جو حضرت شاہ صاحب کے ایک مرید نے بنوائی تھی۔

بعد نماز ظہر احقر سے فرمایا وہ رسالہ لائیے جو آپ نے ردقادیانیت میں لکھا ہے احقر نے پیش کیا، محضر تک مطالعہ فرماتے رہے، بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔ پھر بہاولپور جا کر مولانا مرتضیٰ حسن اور مولانا غلام محمد گھوٹوی اور علماء سے اس کا تذکرہ فرماتے رہے کہ اس نے رسالہ لکھا ہے جس میں کفریات مرزا مزید جمع کئے ہیں، پھر فرمایا میں اس کو ڈابھیل سے طبع کر دوں گا، تاکہ وہاں کے طلباء یاد کریں، احقر نے عرض کیا صاف کر کے ارسال کر دوں گا پھر التواء ہوتا گیا یہاں تک کہ حضرت شاہ صاحب کا وصال ہو گیا۔

افسوس کہ تقسیم ملک کے وقت وہ سب کاغذات ضائع ہو گئے، مولانا نجم الدین صاحب لاہور والوں کا بیان اس سے مرتب کیا گیا تھا، مولانا محمد صادق کو حضرت شاہ صاحب سے عشق ہو گیا تھا ہر وقت خدمت مبارکہ میں حاضر رہتے تھے، مولانا مرحوم حضرت کے سامنے خاموش رہتے تھے، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب بھی خاموش بیٹھے رہتے (مولانا ناظم صاحب رحمہ اللہ سہارن پوری)

فرمایا اہل مکہ نے کئی سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالیف پہنچائیں آخر خدا تعالیٰ نے انہیں کو آپ کے قدموں میں لا ڈالا، حتیٰ کہ جنگ

احزاب میں جو ابوسفیان اتنی عداوت کا مظاہر کر رہے تھے، وہی جب ایمان لائے تو جنگ یرموک میں صفوں کے درمیان پھر رہے تھے، فرما رہے تھے، لوگو! یہ موقع روز روز ہاتھ نہیں آتے، آج وقت ہے خوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا ثبوت دو، خوب جوش دلا رہے تھے، تا آنکہ میدان جیت لیا۔

بہاول پوری کے تاریخی مقدمہ میں شہادت کے لئے مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارن پور بھی تشریف لے گئے تھے، حضرت شاہ صاحب کا غایت تادب تھا خاموش بیٹھے رہتے، ایک روز حضرت شاہ صاحب نے کسی صاحب سے فرمایا مولانا شمس الدین بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں مجھ للطبرانی قلمی ہے وہ بھی چند یوم کے لئے درکار ہے، خواہ وہ صاحب جو مولانا کے کتب خانہ کے مالک ہوں وہاں بیٹھ کر دیکھ لینے دیں، یا ہم سے ضمانت لے کر چند یوم کے لئے مستعار عنایت فرمائیں۔ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب چپکے ہی چلے گئے اور کتاب لے آئے لا کر پیش خدمت کر دی، فرمایا کہ میں اسی وقت چلا گیا تھا ان سے عرض کیا تھا کہ ہمارے حضرت کتاب کی ضرورت ہے، انہوں نے بے تامل عنایت فرمائی۔

حضرت شاہ صاحب پر بے حد اثر ہوا دیر تک اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے یہ تو بڑی عنایت فرمائی، فرماتے رہے پھر کتاب احقر کے حوالے کر دی، اور فرمایا اس میں سے مجھے کچھ عبارت نقل کر دے، اور نشان لگا دے اور یہ بھی فرمایا کہ قلمی کتابوں میں عموماً اعراب اور نقطے نہیں ہوتے، علماء کو پڑھنے میں وقت ہوتی ہے، لاؤ میں آپ کو اس کا طریقہ بتاؤں۔

پھر میں نے مختلف مقامات سے بہت سی عبارات نقل کر کے پیش کیں تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ اکثر لوگوں کو میں نے کتاب دی، مگر غلط ہی نقل کر دی، بعض نے صفحات غلط لگا دئے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بات تو نے دیکھی ہے، تو بتلا دے؟ بعض دفعہ کچھ عرض بھی کر دیتا۔

ایک دفعہ ایک راوی کی نسبت میں مجھے شبہ ہوا تو دریافت کرنے حضرت کی خدمت میں گیا، فوراً فرمایا ”سبلحینی“۔ الحمد للہ بالاستیعاب ہی اس کتاب مستطاب کے دیکھنے کا موقع مل گیا، بابو حبیب اللہ امرتسری بھی رات کے وقت بعد عشاء میرے پاس آ بیٹھے کہ میں تیرے ساتھ حضرت کے پاؤں دباتا ہوں، توفی کے لفظ پر کچھ دریافت کر رہے تھے، احقر نے عرض کیا حضرت توفی حیات کے ساتھ جمع بھی تو ہو سکتی ہے۔ فرمایا ہاں اللہ یتوفی الأنفس حین موتھا والعی لم تمت فی منامھا، اس میں یہ ہے کہ توفی ہو رہی ہے موت واقع نہیں ہوئی جیسے نیند میں توفی ہوتی ہے سوتے آدمی کو مردہ کوئی نہیں کہتا۔ هو الذی یتوفاکم باللیل۔ پھر میں نے قصہ سنایا کہ سلطان پوری لودھی ضلع جالندھر پنجاب میں حیات عیسیٰ پر بحث کرتے ہوئے میں نے مرزائی مناظر سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا رات کے وقت جنازہ نکل جاتا ہے، بچے یتیم ہو جاتے ہیں عورت بیوہ ہو جاتی ہے، بہت خوش ہوئے اور تبسم فرماتے رہے (کبھی مدت العمر کھٹکھٹا کر نہیں بنے)۔

عید مسلم

افادات عالیہ حضرت شیخ الاسلام سید محمد ثین مولانا سید محمد انور شاہ صاحب
رحمۃ اللہ علیہ

علامہ جوہری طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حامد کی حمد اس کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے، اب اندازہ لگائیے کہ رب العالمین نے بھی قرآن عزیز میں اپنی حمد مختلف عنوانات سے فرمائی ہے، مخلوق کو تو اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، ایک پیغمبر برحق جو حمد خدا کر سکتا ہے ایک امتی کیا مقابلہ کرے گا، جو علوم صحابہ کو عطا فرمائے گئے تھے اس لئے کہ وہ تو اذکیا امت تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی کے لئے منتخب فرمایا گیا، اگر وہ حمد باری عز اسمہ بیان کریں گے تو انہیں کی شایان شان ہوگی، اسی طرح دیکھتے جاسیے اب ہم تو یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ عید کا دن ایک افضل دن ہے، سارے شہر کو باہر کھلے میدان میں نکل کر شکر کے دو نفل ادا کرنے چاہئیں۔

لیکن حجۃ الاسلام سیدنا حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عید مسلم تبلیغ کا دن ہے ہر شخص جو تکبیر کہتا ہے خدا کی کبریائی کی تبلیغ کرتا ہے، حتیٰ کہ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ عوام اگر جوق در جوق بازاروں میں تکبیرات کہتے پھریں تو منع نہ کرنا چاہیے کہ عوام میں ترغیب ہوتی ہے، یہ حضرت شاہ صاحب کا مضمون اسلام کے تمام شعبوں کو حاوی ہے جتنا جتنا غور کرتے جائیں گے آپ پر منکشف ہوتا جائے گا۔

فروع، عقائد، تاریخ، سیر احکام سبھی پر بصیرت افروز اور ناقدانہ تحقیقی بحث فرمائی ہے، ضرورت ہے کہ ایسے مضامین کی تلاش کر کے خوب اشاعت کی جائے یہ تبرک حضرت شاہ صاحب کے قلم سے نکلا ہے، ایک حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر مہاجر دیوبند ۱۹۲۸ء میں الصوم لی وانا اجزی بہ پر شائع ہوئی تھی، افسوس کہ ہمارے پاس محفوظ تھی، لیکن ۴۷ء کے خونی ہنگامہ میں جب ہم رانفلوں کے سائے میں نکالے گئے تو احقر کی کتابوں کے ساتھ رائے کوٹ ضلع لدھیانہ رہ گئی۔ حضرت کی سیرت پاک بھی لکھی ہوئی غیر مطبوعہ تھی، بہت سے خطوط مولانا محمد سلیمان شاہ صاحب برادر خور و حضرت شاہ صاحب کے تھے، اب ہم اس تبرک انوری کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں کہ اس کا افادہ عام ہو جائے شاید کہ ہمارے لئے ذخیرہ عقبی ثابت ہو، آمین۔

محمد انوری عفا اللہ عنہ

مکان ۲۲۳ سنت پورہ لائل پوری

۳۱ مارچ ۱۹۶۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عید خوشی اور مسرت کا نام ہے اور اہل دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرور و انبساط اور ہر طرح کی فرحت و ابتہاج عید کے مترادف ہے، لیکن شریعت مقدسہ اور ملت بیضاء کی نظر میں عید اس مسرت و خوشی کو کہتے ہیں جو نعماء ربانی اور کرم ہائے الہی کے شکر اور اس کے فضل و وجود پر ادائے نیاز کے لئے کی جاتی ہے، دنیا خود فانی ہے اور اس کے باغ و بہار فانی، پھر اس پر کیا مسرت و انبساط جس سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد رنج ہو تو ایسے سرور کو عید کہنا ہی غلط ہے، اس لئے قرآن عزیز نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿لَا تَسْفِرْ حِجَابَ اللَّهِ لَا يَحِبُّ الْفَرِحِينَ﴾۔

عید کی حقیقت اصل یہ ہے اور اس کا صحیح مفہوم اس دائمی سرور اور ابدی سرمدی مسرت میں مضمر ہے جس کی نسبت اور جس کا تعلق خود ذات احدیت اور بارگاہِ صمدیت سے وابستہ ہے منعم حقیقی کا انعام ابدی ہے اور اس کا فضل و احسان سرمدی، لہذا اپنی یہ مسرت و فرحت اور خوشی و انبساط بجا اور اسی عید کو عید کہنا صحیح اور درست ہے اسی کو رب العالمین نے معجزانہ انداز میں اس طرح فرمایا ہے ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلِطْفِئُوا﴾ یعنی خوشی و مسرت و حقیقت خدا کے فضل و رحمت اور اس کے فضل ہی پر کرنا چاہیے۔

عید الہی

حقیقت بین نظریں اور پُر از معرفت نگاہیں اس حکمت ربانی سے بے خبر نہیں ہیں کہ عالم تشریف کی اساس، کہ جس کو عالم اوامر و انویا کہنا بہتر

ہے، بہت کچھ عالم تکوینی کے مظاہر و شواہد پر قائم کی گئی ہے تاکہ مرضیات پر کار بند ہونے میں آسانی ہو سکے، اسی اصل کے ماتحت اور اسی اساس کے زیر عنوان عید بھی ہے۔ عالم تکوینی کی ابتداء اور اس کے منصہ شہود میں آنے کے متعلق قرآن عزیز نے جو رہنمائی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے عالم انسانی کو درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور تاریخ کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت و تعلیم دینے کے لئے ہمارے فہم کے مطابق اس طرح فرمایا کہ ہم نے ارض و سماوات اور کائنات عالم چھ روز میں پیدا کئے، ﴿إِنْ رِبْكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہفتہ کی موجودہ نوعیت اور اس کی اس طرح روز و شمار بھی اس تکوینی عالم سے اخذ کی گئی ہے، چند روز عالم کی تخلیق میں صرف کرنے کے بعد اس کے سالگرہ منانے اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے رب العزت نے ساتواں روز عید اور تعطیل کا مقرر فرمایا، اور اس کو ان اعجازی کلمات میں ارشاد فرمایا ﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾۔

استوی علی العرش کی مقامی توجیہ

اس جگہ یہ خیال پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ استوی علی العرش سے کیا مراد ہے؟ اس کے معنی کیا ہیں؟ اس کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے متحققین کی تفاسیر کی طرف مراجعت ضروری ہے، کیونکہ یہ انہیں امور متشابہات میں سے ہے جن کے متعلق سلف صالحین کا صاف اور سادہ عقیدہ رہا ہے کہ

”الاستواء معلوم والكيفية مجهول“ یعنی نفس مسئلہ تو ہم کو معلوم ہے لیکن اس کی حقیقت اور کیفیت ہم سے پوشیدہ اور نامعلوم ہے۔ لیکن علماء متاخرین کی جائز اور حدود شرعی کے ماتحت توجیہات و اقوال کی طرف اگر نظر کی جائے جو انہوں نے قلوب عامہ و سادس اور ملحدین و فلاسفہ کی زلیخ کو دیکھ کر کی ہے تو اس مسئلہ میں ان کے اقوال بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور انہوں نے اس معجز کلمہ کی تحقیقات میں بہت زیادہ کاوش سے کام لیا ہے اور اپنی اپنی استعداد عقل سلیم کے مطابق بہت کچھ جدوجہد کی ہے۔ مناسب مقام اس کے معنی یوں سمجھئے چاہئیں کہ رب العالمین نے ارض و سموات کو چھ روز میں پیدا کر دیا تو پھر اس نے ساتویں روز اس طرح عید منائی کہ اس نے تمام کائنات پر اپنی قدرت عامہ اور شہنشاہیت کے استیلاء و غلبہ کا اظہار فرمایا، اور تمام عالم اس کے حیطہ اقتدار میں محیط ہو گیا، کیونکہ عرش پر اس کا استیلاء اور غلبہ جو کہ خود تمام ارض و سموات کو حاوی ہے اس کی لامحدود قوت و سطوت کا اظہار کرنا ہے۔

ایک حدیثی نکتہ

تخلیق عالم اور عید الہی کی اس آیت کے بارے میں بعض محققین سخت تردد میں پڑ گئے، جس کا معنی یہ ہے کہ قرآن عزیز نے تخلیق ارض و سموات کی مدت ستہ ایام چھ روز قرار دی ہے، اور صحاح کی بعض روایات میں ہے کہ خدائے قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا کیا، پس اگر تخلیق عالم کی ابتدا ہفتہ کے روز سے مانی جائے تو پھر پورا ہفتہ تخلیق ہی

کو محیط ہو جاتا ہے، اور تعطیل (استواء علی العرش) کے لئے کوئی دن باقی نہیں رہتا، لہذا کوئی صورت ایسی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت آدم کی تخلیق جمعہ کے روز مان کر ستہ ایام کو صحیح باقی رکھا جاسکے اور استواء کے لئے ایک روز فاضل نکالا جاسکے، اس اشکال کے پیدا ہو جانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین و محققین نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حدیث میں جو جمعہ کا دن ہے اس کو اپنے خیال میں اس سلسلہ میں منسلک سمجھ لیا ہے جس میں کہ تخلیق ارض و سموات ہوئی ہے، حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اگرچہ جمعہ کے روز ہی ہوئی ہے لیکن یہ جمعہ وہ جمعہ نہ تھا جو ستہ ایام کے تذکرہ کے بعد آتا تھا، بلکہ ایک عرصہ مدیدہ کے بعد حق تعالیٰ نے کسی ایک جمعہ میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اور تخلیق ارض و سموات کے متعلق جو جمعہ آتا تھا وہی درحقیقت استواء علی العرش اور عید الہی کا روز ہے، ان حضرات کی نظر احادیث کے ذخیرہ کی طرف کافی اور دقیق ہے ان کے لئے ہماری یہ توجیہ اصل حقیقت کی نقاب کشائی کے لئے کافی و وافی ہے۔

یوم سبت کی تحقیق

اسی اشکال کے سلسلہ کی ایک کڑی یوم سبت کی تعیین و تحقیق ہے۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم السبت ہفتہ کا نام ہے، اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار ہے۔ اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے خود علماء اسلام کو بھی اس کی تعیین میں مشکل پیش آئی ہے، اسلئے کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں تو تعطیل کا دن جمعہ ہے، حافظ ابن تیمیہ رحمۃ

اللہ علیہ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور وہ بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ یوم السبت ہفتہ ہی کے دن کا نام ہے اس اشکال کو اس سے اور زیادہ تقویت ہو جاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت ہفتہ کے روز کو کہتے ہیں۔

لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ اہل عرب کے دور جہالت میں دنوں کے نام یہ نہ تھے کہ اب ان کے یہاں مستعمل ہیں، کتب تاریخ میں ان کا ذکر موجود ہے، موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی اس کے واضح ہیں، چنانچہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے، عروبہ عبرانی کا لفظ ہے جس کا مفہوم وہی ہے جو ہماری زبان میں عرفہ کا ہے، اردو زبان میں ہر عرفہ ہر اسلامی تہوار سے ایک روز قبل کے لئے استعمال ہوتا ہے، یعنی یہی مفہوم یہود عروبہ کا سمجھتے تھے، اور چونکہ وہ ہفتہ کے دن کو یوم تعطیل مانتے تھے اس لئے جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے، عروبہ کے استعمال نے مسلمانوں میں بھی رواج پایا، اور اس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ بعض احادیث میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے، بہر حال جب کہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے تو لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو اس لئے انہوں نے یوم الاحد یعنی پہلا روز مانا یہی استعمال اور محاورہ علماء اسلام کے لئے اس کا باعث بنا کہ انہوں نے سینچر ہی کو یوم السبت قرار دیا، اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی ہی سے شروع سمجھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے اور خلاف تحقیق ہے، اس لئے کہ مسند امام شافعی کی

روایت میں مذکور ہے کہ استواء علی العرش جمعہ کے روز ہوا ہے۔ اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ تخلیق عالم کی ابتدا ہفتہ کے روز یعنی سینچر کے دن سے ہوئی، لہذا ان دونوں روایتوں کی بنا پر ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ جب تعطیل کا دن جمعہ کا دن تھا اور آغاز تخلیق سینچر یعنی ہفتہ کو ہوئی تو یقیناً اور بلا شک و شبہ یوم السبت جمعہ کا نام ہے، اتوار یا ہفتہ کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے بلکہ آغاز تخلیق عالم ہی سے وہ مشرف و معزز ہو رہا ہے، کیونکہ اس دن ہی رب العالمین کے استواء علی العرش کی عید تھی۔

انتخاب جمعہ کی حدیث مع تو جیہات

البتہ اس شرف سے مشرف ہونے اور اس بزرگ دن کی عظمت حاصل کرنے میں امت مرحومہ کا بھی نصیب زبردست تھا، اور ان ہی کی قسمت یا ور تھی جو ان کو اس دن عید منانے کی ہدایت ہوئی، چنانچہ صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہمارے لئے جمعہ کے دن کو اور ٹال دیا اس کو دوسری امتوں سے، پس نصاریٰ نے اتوار اور یہود نے ہفتہ کو پسند کیا اور اس کو تعطیل کا دن قرار دیا۔

اس حدیث میں اس شک کو زائل کرنے کے لئے کہ رب العالمین نے کیوں دوسری امت کو اس شرف سے محروم رکھا محدثین نے دو تو جیہیں کی ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ دراصل انتخاب یوم تعطیل و یوم عید حق تعالیٰ نے

اجتہاد پر رکھا تھا، پس امم سابقہ کا اجتہاد اس برکت کو نہ پاسکا جس کو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کر لیا۔ اور بعض محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اول تمام امم پر جمعہ کا دن ہی پیش کیا گیا تھا، لیکن بنی اسرائیل نے اپنی مصلحتوں اور طبعی رنجشوں کی بناء پر اس دن کو پسند نہ کیا اور اپنے زمانے کے انبیاء علیہم السلام کو اس بارے میں تنگ کیا کہ وہ خدا کو کہہ کر اس دن کو یوم تعطیل نہ رہنے دیں اس لئے وہ اس جنگ و جدل کی بناء پر اس نعمت سے محروم کر دئے گئے، اور بالآخر امت مرحومہ کے حصہ ہی میں یہ شرف آنا تھا، سو آگیا۔ اور جمعہ کا دن ان کے ہفتہ کی عید قرار پایا، ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

خدائے برتر کا فضل اور اس کا احسان ہے بظہیل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آج تک اسلام میں یوم جمعہ نہایت شان و شوکت سے منایا جاتا ہے، اور عید النبی کے باغ اور اس کی بارگاہ میں ہر ایک اس کی شرکت کو اپنے لئے فریضہ ربانی سمجھتا اور سعادت دارین کا وسیلہ جانتا ہے۔

ایام ربانی کی تحدید

یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آیت قرآنی میں جو ستہ ایام کا ذکر کیا ہے آیا ان ایام کی مقدار ایام معمولہ ہی کے موافق تھی یا اس سے زائد؟ یہ ایک سوال ہے جس کے متعلق محدثین و صوفیاء کرام دونوں نے قلم اٹھائے ہیں اور خوب بحثیں کی ہیں اہل عقل و دانش کے نزدیک یہ چیز حیرت انگیز نہیں ہے اس لئے کہ وہ درگاہ وحدیت و بارگاہ احدیت تو حقیقتاً زمانہ اور اس کی مقدار سے وراء الوداء ہے اور اس کی جگہ تو زمانہ کی تحصیل بھی

نسیا منسیا ہے، کیوں کہ زمانہ تو مقدار حرکت کا نام ہے اور حرکت و سکون کی نسبت انہیں اجرام و اجسام کی طرف کی جاسکتی ہے جو ان کا محتاج ہو، لیکن خالق حرکت و سکون اور سکون زمانہ، زمانیات کو ان فانی اور ناقص اشیاء سے کیا سروکار تعالیٰ اللہ علو اکبر، لہذا قرآن عزیز میں جو اس مقام پر ایام کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے وہ صرف ہماری عقل و ناقصہ اور فہوم کا سدہ کی تفہیم کے لئے ہے اسی لئے اس کی نوعیت پر بحثیں پیدا ہو گئی ہیں، بعض محققین کا خیال ہے کہ ایام ایام معمولہ ہی کی طرح تھے، نہ زیادہ اور نہ کم، اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ ان ایام میں ہر دن ایک ہزار سال کی مقدار رکھتا تھا۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسماء حسنی کے ماتحت ایام کی کچھ تحدید فرمائی ہے، چنانچہ اس موقع پر لکھتے ہیں کہ یوم ربوبی ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے ﴿وإن یوما عند ربک کألف سنة مما تعدون﴾۔

یوم ربوبی کا ایک نکتہ لطیف

اس لئے بعض علماء اور صوفیاء کا یہ خیال ہے کہ دنیائے انسانی کی عمر سات ہزار سال ہے، کیوں کہ سات ہی روز اس کی تخلیق اور اس پر عمل کے گزرے ہیں اور اولو العزم انبیاء علیہم السلام کے ادیان ترقی پذیر کا عہد مبارک ہزار ہزار سال کا ہوتا آیا ہے، چنانچہ ساتویں ہزار کی ابتداء میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے مذہب میں اعلیٰ اور بے نظیر ترقی بھی ایک ہزار سال رہی اور اس کے بعد اس میں انحطاط شروع ہو گیا، جس کی انتہا وجود قیامت پر ہوگی، اور یہ سب کچھ ایام ربوبیت ہی کے

ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اب تک اس کے منتظر ہیں کہ نبی آخر الزمان ساتویں ہزار میں آئے گا۔ اور اس پر ایمان لائیں گے، لیکن چونکہ بائبل کے کل نسخہ کے بارے میں علماء یہود و نصاریٰ کو اختلاف ہے اس لئے وہ اس صحیح حساب کی تشخیص نہ کر سکے اور نبی آخر الزمان پر ایمان نہ لائے بائبل کے نسخوں میں قدیم زمانے کے یونانی نسخہ پر اعتماد تھا، لیکن جب اس کا حساب صحیح نہ اترتا تو اس کو ماقط کر کے عبرانی نسخہ کو ترجیح دی، لیکن افسوس کہ وہ بھی صحیح رہنمائی نہ کر سکا، اور یہ قوم اس بارہ میں خاسر ہی رہی۔

بنی اسرائیل کی عید یوم عاشوراء

ایک ہفتہ کی عید کے علاوہ ادیان سادہ میں سالانہ عید منانے کا بھی دستور قدیم سے قائم ہے اور ہر عید کسی خاص حکمت پر مبنی ہے اور کسی نہ کسی رحمت و فضل الہی کے ادائے تشکر میں اس کا راز مضمر ہے اور ہمیشہ اس کا وجود بندگان خدا کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنتا رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت ثابتہ کا آج تک اعلان کر رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ صدیوں تک قبیلوں کے ہاتھ مظلوم بنی اسرائیل طوق و سلاسل اور غلامی میں گرفتار رہے اور فراغ مصر کی تمام ذلتوں اور رسوائیوں کو جبر اور قہر اسہا کئے، لیکن ظلم و عدوان اور غرور نخوت کا مظاہر ہمیشہ قائم نہیں رہتا، اور انسانیت و کبر ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا، چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے بھی فطرت نے وہ وقت مہیا کر دیا کہ جس میں ان کی خوار یوں اور ذلتوں کا خاتمہ ہوا اور غلامی کی لعنت

سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات ملی اور بحر قلزم کی موجوں نے اس بیبت ناک مظاہرہ کا منٹوں میں اس طرح خاتمہ کر دیا کہ عبد صالح موسیٰ علیہ السلام معہ اپنی قوم کے تشرین اولیٰ میں قلزم سے پار ہو گئے، اور خدائی کا جھوٹا مدعی فرعون کی فرعونیت اپنے لشکر سمیت قلزم کی تہہ میں فنا ہو گئی۔ انعام خداوندی کا یہی کرشمہ تھا جو بنی اسرائیل پر اس طرح جلوہ نما ہوا اور اس ہی بارگاہ کے لئے یوم عاشوراء کی عید ان کے مذہبی امور میں داخل کی گئی تاکہ اس دن میں روزہ رکھ کر اپنی اسرائیل نیاز مندی کے ساتھ ادائے شکر کا اظہار کریں، اور اس روز مسرت و شادمانی کے ساتھ خدائے قدوس کے دربار میں سر نیاز جھکائیں۔

عاشوراء ایک تحقیق اور ایک حدیث کی توضیح

لیکن اس مقام پر خود بخود اہل علم کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تشرین اولیٰ یہود کے مقرر کردہ مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے جو شمس نظام پر قائم کئے گئے ہیں لہذا اس کے مطابق ماہ محرم الحرام جو قمری حساب کے مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے کسی طرح نہیں ہو سکتا، پھر ہمارے یہاں ۱۰ محرم الحرام کو عاشوراء کا ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ دوسرا امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ معجم طبرانی کی حدیث میں آیا ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جس روز ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہیں اس دن یہود عاشوراء کی عید منا رہے تھے اور روزہ دار تھے آپ نے ارشاد فرمایا ہم یہود سے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کی رستگاری پر خوشی کریں اور شکر الہی بجالائیں، لہذا ہم میں سے جس شخص نے ابھی کھانا پینا نہ ہو وہ

روزہ رکھ لے، اور جو کھاپی چکے ہیں وہ اس وقت سے روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے باز رہیں۔ حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ مدینہ طیبہ میں داخلہ ربیع الاول میں ہوا تھا تو پھر کس طرح یوم عاشورا ۱۰ محرم الحرام کو صحیح ہو سکتا ہے؟ لیکن کتب تاریخ پر نظر رکھتے والے اصحاب کو اس اشکال کے حل کرنے میں چنداں دشواری نہیں ہے، اس لئے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مدینہ میں دو قسم کی جماعت تھیں، ایک جماعت اپنے مہینوں کا حساب نظام شمسی ہی کے ماتحت رکھتی تھی اور عاشورا کو اسی اصول پر مناتی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول میں جو عاشورا کی تاریخیں اس مرتبہ پر آ کر پڑیں وہ اسی نظام کے ماتحت تھیں۔

دوسری جماعت وہ تھی جس نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان قمری حساب سے اپنا نظام قائم کرتے ہیں اور محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں اس لئے وہ مسلمانوں سے توافق پیدا کرنے کے لئے اپنی عید عاشورا کو تشرین اول سے منتقل کر کے محرم الحرام کی ۱۰ تاریخ میں لے آئے پھر یہی طریقہ جاری ہو گیا۔

تیسری جماعت یہودی اور بھی تھی جو اپنے نظام پر عاشورا مناتی تھی اور محرم الحرام کی تاریخ میں بھی عید عاشورا قائم کرتی تھی، اس وجہ سے یہ اشکال زیادہ اعتناء کے قابل نہیں۔

عید رمضان

جس طرح بنی اسرائیل کے لئے ان کی رستگاری میں عاشورا کی عید

مقرر ہوئی اس طرح امت مرحومہ کے لئے بھی سال میں دو مرتبہ رحمت و فضل خداوندی کے اداء نیاز کی خاطر عید منانے کا حکم دیا گیا، جس میں سے ایک عید الفطر یا عید رمضان ہے۔ یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ رمضان کی فضیلت کا تمام دار و مدار اور اس کی تمام اساس قرآن وحدیث رسول پر مبنی ہے، رمضان میں قرآن عزیز کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہونا ہی فضل و رحمت الہی ہے جس کی وجہ سے رمضان کو یہ شرف حاصل ہوا۔ ﴿شہر رمضان الذی أنزل فیہ القرآن ہدی للناس و بینات من الہدی والفرقان﴾۔

وہ قانون الہی جس نے تمام عالم کی ظلمت و تاریکی کو فنا کر کے ہدایت و رشد کی روشنی سے اس کو منور کر دیا وہ کتاب ربانی جس کے فیض سے بھلے ہوؤں کو راہ ملی اور گمراہوں کو ہدایت حاصل ہوئی، اور وہ قرآن عزیز جو حق و باطل کے لئے فیصلہ کن اور احکام الہیہ کا آخری پیغام ہے رمضان میں نازل ہوا اور اس کی برکت سے تمام عالم پر فضل خداوندی اور رحمت باری عام ہو گئی پس جس شخص نے اس فیض سے حصہ پایا کامیاب ہوا اور جو محروم رہا محروم رہا۔

روزہ کی فرضیت اس لئے قرار پائی کہ انسان اس روحانی فیض سے مستفیض ہو کر قرآن عزیز کی دائمی برکتوں سے مالا مال ہو سکے، لہذا فضل و نعمت کے ادائے شکر میں ختم مہینہ کے بعد اسلام نے ایک دن خاص و دعوت الہی کا مقرر کیا اور اس میں سب کو خداوند تعالیٰ کا مہمان خصوصی بنایا اور اسی کا

نام عید ہے۔

سعید ہیں وہ روحیں جنہوں نے رمضان کے برکات و انوار کو حاصل کیا، عید کی حقیقی وابدی مسرت سے حصہ پایا، اور منور ہیں وہ قلوب جنہوں نے ان کے فیض کو اپنی تہ میں جگہ دی، اور دائمی سرور و شادمانی سے بہرہ مند ہوئے یہی شادمانی و سرور ہے جو اس خیر کثیر اور رشد و ہدایت کے سرچشمہ کے نزول میں باتجاء ﴿وَلتکبروا لله علی ما هداکم﴾ ہماری زبانوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد کہلاتا ہے۔

اتمام قرآن عزیز

خدا کا آخری پیغام اور روحانیت کی یہ بے نظیر مشعل ہدایت جس کی بدولت ہم کو دارین کی سعادت نصیب ہوئی تینیس (۲۳) سال تک برابر حصہ حصہ ہو کر نازل ہوتا رہا اور اپنے انوار و تجلیات سے ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق فیض یاب کرتا رہا، آخر وہ مبارک روز بھی آیا جس میں اس چشمہ خیر کثیر کے اتمام و اکمال کی بشارت ہم کو دی گئی، اور ۹ ربی الحجہ یوم عرفہ کو ﴿الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی﴾ کا فرحت انگیز پیغام عرفات کے میدان مقدس میں سنایا گیا اور قیامت تک کے اس قانون کو مکمل کر کے ہمارے سپرد کیا گیا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں علماء یہود میں سے کسی نے اس آیت کو سن کر کہا کہ اگر ہمارے یہاں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس روز کو

عید شمار کرتے اور خوب خوشیاں مناتے، یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اس روز ہماری دوہری عید تھی، اس لئے کہ یہ آیت جمعہ کے روز عرفات میں نازل ہوئی ہے اور جمعہ و عرفہ ہماری عیدیں ہیں۔

بہر حال عید کی حقیقت ایک مسلمان کی نظر میں صرف یہ ہے کہ وہ اس روز خدا کے خالص فضل و انعام کے تشکر امتنان میں مخمور و مسرور ہوتا ہے اور دربار خداوندی میں مسرت و شادمانی کے ساتھ سر نیاز جھکاتا ہے۔

عید الفطر عید الاضحیٰ جو جمعہ عرفہ یہ سب مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور ان سب کا خلاصہ وہی ایک حقیقت ہے جو بیان ہو چکی۔ یہی فرق ہے اسلام اور دیگر ملل و ادیان میں کہ اس کی غمی و خوشی، رنج و سرور، حزن و مسرت سب خدائے قدوس ہی کے لئے ہے اسکی تمام عیدیں ہزلیات اور خرافات سے پاک اور بری ہیں اور ان کا ہر ہر جز و صرف خدائے قدوس ہی کی یاد سے مملو ہے۔

والحمد لله اولاً و آخراً.

☆☆☆

☆..... حضرت شاہ صاحب کا کلام بالعموم حافظ شیرازی کے طرز پر ہوتا تھا حافظ نے لکھا ہے

شاہد دل ربائے من می کند از برائے من
نقش و نگار درنگ و بوتازہ بتازہ نو ہنو

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں

در ہمہ سیر و غربتے کشف نہ شد حقیتے
گر چہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کو بکو
گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے
شرح وہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہ ہو
دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بودز جبر و قدر
آنچہ کہ کشتہ در خطہ بہ خطہ جو ز جو

عالم برزخ سے متعلق حضرت شاہ صاحب کی ایک نظم ہے اس کے یہ تین شعر بطور نمونہ ہم نے درج کئے۔

☆..... حضرت کا ایک مربعہ نعتیہ ہے جو عقیدۃ الاسلام کے آخر میں

لگا ہوا ہے اس کے شروع کے یہ شعر ہیں۔

مربعہ نعتیہ فارسی

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر و اماندہ آخر طالب منزل شدم
کز تنگای پو سو بسو شام غریباں در رسید

یہ قصیدہ بہت لمبا ہے ہم نے محض چار مصرعے درج کئے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔

☆..... حضرت عثمانی مولانا شبیر احمد صاحب نے جب ڈابھیل ضلع

سورت میں حضرت شاہ صاحب کی وصال کی خبر سنی تو تعزیتی جلسے میں فرمایا

ہوئی مدت کہ دنیا سے میرا دل اٹھ گیا لیکن
ہو ز اک شعلہ یاد رفتگاں دل سے اٹھتا ہے
ہجوم درد و غم اس درد آہ دل سے ہے ثابت
درد کارواں ہو تب دعواں منزل سے اٹھتا ہے
الہی فرقت مرحوم میں کیوں کر بسر ہوگی
نہ دل اٹھتا ہے الفت سے نہ صدمہ دل سے اٹھتا ہے
ہمارے شعلہ غم کا یقین تم کو نہیں آتا
تمہیں کیوں کر دکھائیں دل میں بجھتا دل سے اٹھتا ہے

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۴ صفر ۱۳۵۲ھ

☆..... ایک دفعہ ۱۳۳۸ھ میں ترمذی شریف کے درس میں اختر

نے سوال کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو آتی ہے یصلی
أربعاً فلا تسئل عن حسنہن و طولہن، ثم یصلی أربعاً
فلا تسئل عن حسنہن و طولہن، ثم یوتر بثلاث. میں نے سوال
کیا کہ اس حدیث سے تو آٹھ تراویح ثابت ہوتی ہیں۔ حالانکہ یہ میرا سوال
بے محل تھا کیوں کہ اس حدیث میں ایک توفسی رمضان وغیرہ ہے، حالانکہ

غیر رمضان میں تو تراویح نہیں ہوتی۔ دوسرے اس میں وتر تین ہیں، اور آٹھ تراویح پڑھنے والے وتر تین نہیں پڑھتے۔ تیسرے اس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ کیا آپ یعنی حضور نیند کرتے ہیں وتر پڑھنے سے پہلے؟ جب رمضان میں وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں اور اس زمانے میں مستورات مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ پڑھتی تھیں تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سوال تو بے محل ہوا کیوں کہ جب آپ جماعت میں شامل ہوتی تھیں تو پھر حضور سے نیند کرنے کے متعلق کیا سوال؟ معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کی نماز کی متعلق ہے۔

تو حضرت شاہ صاحب نے فوراً فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت آیا سنت نبی ہے یا نہیں جیسا کہ حدیث یہ ہے: *فبأنه من يعش منكم بعدى فسیری اختلافا کثیرا، فعليکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ، وإیاکم ومحدثات الأمور، فإن کل محدثة بدعة وکل مدعة ضلالة*، رواہ أحمد والترمذی وأبودود وابن ماجه، مشکوٰۃ۔

اور فرمایا سنو کہ مسئلہ کی تحقیق فی نفسہا ہوتی ہے نہ کسی کے عمل کو دیکھ کر، جب یہ بات ہے اور اتنا اختلاف ہے کہ کوئی دوسرے کی بات سنتا ہی نہیں تو نبی کے فرمانے کے مطابق خلفائے راشدین مہدیین کے عمل کو دیکھا جائے گا، اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے گا، تاکہ اختلاف رفع

ہو جائے۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں: فائدہ: کہ خلفاء راشدین مہدیین حضرت ابو بکر اور حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔ مہدیین کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن کو باری تعالیٰ طرف سے ہدایت یافتہ کیا گیا ہو حق کی طرف اور فرمایا کہ یہ جو حدیث ہے: *وکان القاری یقرأ سورة البقرة فی ثمان رکعات، فإذا قام بها فی اثنی عشر رکعة رأى الناس إنه قد خفف، رواه مالك*۔ تو فرمایا کہ بس تراویح کی یہ حدیث صحیح دلیل قوی ہے، اور صحابہ کے زمانہ میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا، اور بھی مؤطا امام مالک میں بہت سی روایات موجود ہیں جو صریح طور پر بیس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور امام بیہقی نے فرمایا کہ حضرت علی زمانہ میں بھی حضرت ابی بنی لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے، اور حضرت عثمان کے زمانہ پاک میں بھی اسی پر عمل ہوتا تھا، اور حدیث ابودود وغیرہ میں ہے راوی کہتا ہے: *حتى خفنا الفلاح، اگر آٹھ ہی کا شوق ہے تو اس حدیث پر کیوں نہیں عمل کیا جاتا کہ حتی خفنا الفلاح کہ ہم کو سحری کا خطرہ ہو گیا، جماعت کو چھوڑ جانا اور یہ کہنا کہ ہم آٹھ پڑھ کر چلے ہیں اور جا کر سو جانا یا اور کوئی باتوں میں لگ جانا یہ تو حدیث کے خلاف ہوا تو اتنا لمبا پڑھنا چاہیے کہ سحری کا وقت نکلنے کا خطرہ ہو جائے۔*

جب روایات متعارض آرہی ہیں تو کیوں نہ خلفاء راشدین کے تعامل پر عمل درآمد کیا جائے۔ اور حدیث *ما أنسا علیہ وأصحابی صاف*

بتلا رہی ہے کہ اصحاب کے تعامل کو نہیں چھوڑنا چاہیے ورنہ یہ صریح دلیل ہے
صحابہ کے بغض کی۔ والعیاذ باللہ)

صحابہ کرام کے اذکیاء امت ہونے کے متعلق حضرت عبداللہ بن
مسعود اور حضرت عمر بن عبدالعزیز وغیرہم کا صاف ارشاد ہے جو مشکوٰۃ اور ابو
داؤد شریف میں مذکور ہے کہ ان کے گہرے علوم اور صاف قلوب تھے، پھر ان
کے تعامل کو جان یوجہ کر چھوڑنا؟! حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت
ہمیں صحابہ کرام ہی کے تعامل سے معلوم ہوئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: من احبهم فبحبی احبهم، فمن ابغضهم فببغضی ابغضهم۔
یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے، یہ کتنا بڑا وعید ہے جو حضور نے اپنے صحابہ کے
اتباع کے متعلق فرمایا ہے اس پر عمل درآمد کرنا چاہیے اس وعید سے ڈرنا چاہیے
خدا ہم کو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے اتباع کی توفیق بخشیں۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شاہ صاحب کا بیان سننے کے لئے پنجاب، بلوچستان،
کراچی اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء و فضلاء رؤساء اور آفیسران
ریاست آئے ہوئے تھے، انجمن مؤید الاسلام بہاول پور نے جو تمہیدی الفاظ
حضرت کے بیان ”البيان الازہر“ پر لکھے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً

شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف وقد وہ الخلف حضرت مولانا سید
محمد انور شاہ صاحب کا شمیری قدس اللہ اسرارہم کی بلند پایہ ہستی کسی تعارف
اور توصیف کی محتاج نہیں، آپ کو مرزائی فتنے کے رد و استیصال کی طرف
خاص توجہ تھی، حضرت شیخ الجامع مولانا غلام محمد صاحب کا خط شاہ صاحب کی
خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے
تھے اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا، مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی
تیاری کو ملتوی فرمایا اور ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو بہاول پور کی سرزمین کو اپنی
تشریف آوری سے مشرف فرمایا، حضرت کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء
مولانا عبدالحنان خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور و ناظم جمعیت العلماء پنجاب،
مولانا محمد صاحب لائل پوری فاضل دیوبند و مولانا زکریا صاحب لدھیانوی
وغیرہ بھی تشریف لائے۔ ریاست بہاول پور اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور
زائرین اس قدر جمع ہوئے کہ حضرت کی قیام گاہ پر بعض اوقات جگہ نہ ملتی اور
زائرین مصافحہ سے مشرف نہ ہو سکتے تھے۔

۲۵ اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوا، عدالت کا کمرہ
امراء و رؤساء ریاست و علماء کی وجہ سے پر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان
میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا، باوجودیکہ حضرت شاہ صاحب عرصہ سے
 بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا، مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً

پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے، مرزا نیت کفر و ارتداد اور دجل و فریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے، حضرت شاہ صاحب کے بیان ساطع برہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کے ادعاء نبوت و وحی و مدعی نبوت کے کفر و ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل و حقائق کی توضیح و تفصیل کے لئے جو ضمنی مباحث موجود ہیں شائد مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا، حضرت شاہ صاحب کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کے فکر کی رسائی سے باہر ہے، ناظرین بہر اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحب کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمائیں آمین۔ حضرت کا حافظہ اس وقت قابل دید و شنید تھا اس پر مولانا محمد صادق کا بیان ختم ہوا، احقر عرض کرتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تین دن بیان کیا اور دو دن جلال الدین قادیانی نے جرح کی، کل بیان پانچ روز ہوا یعنی ۲۵ سے شروع ہو کر ۲۹ (انیتس) اگست ۱۹۳۲ء کو ایک بجے ختم ہوا، آپ نے مجملہ حوالہ جات کے ایک فتویٰ مصری مطبوعہ بھی پڑھ کر سنایا جس میں علماء مصر نے مدعی نبوت پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اس میں مشہور عالم دین علامہ محمد نجیب کا بھی فتویٰ تھا، اس پر فرمایا تھا کہ میں علامہ نجیب کو پہچانتا ہوں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا بھی طویل فتویٰ سنایا تھا، اور بھوپال کے مفتی اعظم کا بھی فتویٰ سنایا تھا، یہ دونوں فتوے مولانا نور احمد صاحب امرتسری کے رسالہ استنکاف

المسلمین عن الاختلاف بالمرزائین سے پڑھ کر سنائے تھے۔
(نوٹ) اب بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ایک رسالہ اور بھی ہے جس میں مولانا مولوی امیر علی صاحب مصنف عین الہدایا وغیرہ مدرس اعلیٰ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مولانا شبلی جو اس وقت مدرس ندوۃ العلماء کے تھے، اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا اور حضرت مولانا عبدالرحیم شاہ رائے پوری صاحب اور حضرت مولانا نور محمد لدھیانوی صاحب خلیفہ حضرت میاں عبدالرحیم صاحب جو اس وقت حضرت رائے پوری شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں رہتے تھے اور ہمارے حضرت عبدالقادر کا بھی فتویٰ ہے۔

قادیانی مختار نے کہا کہ تختہ بر الناس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعد خاتم النبیین نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔
فرمایا حج صاحب لکھیے:

حضرت مولانا محمد قاسم نے اپنے الہامی مضمون میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق دلائل و براہین ساطعہ بیان فرمائے ہیں اور اثر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی علمی توجیہات فرمائی ہیں۔ ان لوگوں پر حیرت ہے جو تختہ بر الناس کا بغور اور بالاستیعاب دیکھتے نہیں، اس رسالہ میں جا بجا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور اس پر ایمان ہونا ثابت فرمایا ہے، رسالہ کے صفحہ دس کی عبارت میں آپ کو لکھوانا چاہتا ہوں حضرت مولانا فرماتے ہیں:

”مواگر اطلاق اور عموم ہے تب تو نبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے

ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالة التزامی ضرور ثابت ہے، ادھر تصریحات نبوی مثل أنت منی بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبي بعد أو کما قال، جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے اس بات میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے گو الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجود یکہ الفاظ احادیث مشرعتہ ادر رکعات متواتر نہیں، جیسا اس کا منکر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔

اسی رسالہ کے دوسرے صفحات میں جا بجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمیت زمانی کا اقرار ہے نیز مناظرہ عجیبہ جو صرف اسی موضوع پر ہے نیز آپ حیات قاسم العلوم انتشار الاسلام وغیرہ کتب مصنفہ حضرت نانوتوی دیکھا چاہئے، حضرت مولانا مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تین طرح کی خاتمیت ثابت فرماتے ہیں۔

ایک بالذات یعنی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمیت ذاتی کا ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے، جیسا کہ عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے اس کے ذریعے سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاء ارضیہ متصف بالنور ہیں یہی حال وصف نبوت کا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے متصف بالذات اور اسی

وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے نبوت ملی حدیث میں ہے: كنت نبيا و آدم منجدل بين الماء والطين. اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور کے واسطے سے متصف بالنبوة ہوئے، حدیث میں ارشاد ہے: لو كان موسى حيا لما وسعه إلا اتباعي. اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ پارہ ۳ کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ الآية.

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اس امت کے رسول ہیں نبی الانبیاء بھی ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف، اور سب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا، آیت میں ثم جاء کم فرما تصریح فرمادی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔

آیت ميثاق دروے ثم هست

این همه از متفقنائے ختم است

ثم عربی زبان میں تراخی کے لئے آتا ہے اس واسطے علی فتوة من الوصل فرمایا: حدیث میں ہے أنا دعوة أبي إبراهيم میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ تمام انبیاء علیہم السلام حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارات دیتے آئے، چنانچہ توراۃ شریف، انجیل شریف، و دیگر صحف میں باوجود تحریف لفظ و معنوی ہو جانے کے اب بھی متعدد آیات موجود ہیں جو حضور کی خاتمیت اور افضلیت کا پتہ دیتی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ تشریف لا کر ابتداء شریعت محمدیہ کرنا اسی فضیلت اور خاتمیت کا عملی مظاہر ہوگا۔ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا صف بندی کر کے امام کا منتظر رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امامت کرنا بھی اسی امر کی صراحت کرتا ہے، واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا۔ بھی اسی کی طرف مشیر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا، اور ابن حبیب عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی (اتقان)۔ اور انا خطیبہم إذا أنصتوا اور احادیث شفاعت بھی اسی فضیلت محمدیہ کا اعلان کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا اختتام ہوا، اور پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی کا زندہ رہنا ضروری تھا تا کہ بطور نمائندہ سب کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کریں، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب ہوا اس لئے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور سلسلہ اسحاق اور اسماعیل کو جوڑ دینا منظور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین امور کا اعلان فرمایا۔

(۱) ﴿یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم﴾ اے بنی اسرائیل میں فقط تمہاری طرف مبعوث ہو کر آیا ہوں دوسری جگہ آل عمران

میں ورسولا الی بنی اسرائیل فرمایا گیا ہے، صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔

(۲) ﴿مصدقاً لما بین یدی من التوراة﴾

(۳) ﴿ومبشراً برسول یأتی من بعد اسمہ أحمد﴾ میں

ایک عظیم الشان رسول برحق کی خوشخبری سنائے آیا ہوں جو میرے بعد مبعوث ہوں گے ان کا نام احمد ہے۔ قرآن عزیز اعلان کرتا ہوں کہ وہ نبی برحق جن کے متعلق عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان ہوا اور بشارات دی گئی تھیں آپ کا۔ ﴿جاء بالحق وصدق المرسلین﴾ حدیث شریف ہے انسی اولی الناس بعیسی بن مریم۔ مجھے زیادہ قرب ہے عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت تمام لوگوں کے اور بلاشبہ وہ نزول فرمائیں گے۔ انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کے نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے فضیلت محمدیہ کو دنیا پر واشگاف کر دینا منظور ہے، آپ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تشریف لانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نبی دوسرے نبی کے علاقے میں چلا جائے، چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی ہوں گے لیکن بہ حیثیت حکماء عدلا تشریف آوری ہوگی، بطور جمع

منٹ فرمانے کے تشریف آوری ہوگی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قرب قیامت میں عیسائی اقوام کی مسلمانوں سے بڑھ بھڑکے گی، لہذا اہل کتاب کی اصلاح کے لئے تشریف لائیں گے ثالث وہی ہوتا ہے جو ہر دو فریق کے نزدیک مسلم ہو، ہماری کتابیں ”عقیدۃ الاسلام“، ”تحیۃ الاسلام“، ”التصریح بما تو اتر فی نزول المسیح“ اس باب میں دیکھنا چاہئے۔

دوم خاتمیت زمانی یعنی آپ کا زمانہ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ ہوگی۔
ابن بن کعب سے مرفوع روایت ہے: بدأ بسی الخلق و كنت آخرهم فی البعث. وأخرج جماعة عن الحسن عن أبي هريرة مرفوعا: كنت أول النبيين في الخلق و آخرهم في البعث، كذا في روح المعاني (ص: ۱۱ ج: ۷)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اسلام کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے، مرزا غلام احمد نے اجماع کو جوتہ مانا ہے اور اس کے منکر پر لعنت کا اعلان کیا ہے۔ انجام آتھم ص: ۱۴۴۔ مرزا صاحب نے کفار کے تو اتر کو بھی حجت مانا ہے چہ جائیکہ تمام امت محمدیہ کے تو اتر سے ثابت شدہ عقیدہ کو (ترياق القلوب)۔

حضرت نافو توئی نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے، اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں اس کو بدلائل ثابت فرمایا

ہے۔

قادیانی مختار مقدمہ نے سوال کیا کہ امام مالک سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔ احقر سے فرمایا کہ ابی کی شرح مسلم شریف نکالو، چنانچہ ص: ۲۴۶ ج: ۱ مطبوعہ مصر ذیل کی عبارت پڑھ کر سنائی: وفي العتبية: قال مالك: بينا الناس قيام يستمعون لإقامة الصلاة فتغشاهم غمامة، فإذا عيسى قد نزل، الخ. عتبية میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا درانحالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا یکا یک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ امام مالک کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری امت محمدیہ کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔ ہم نے تتبع کیا ہے کوئی تیس اکتیس صحابہ احادیث نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے راوی ہیں، تابعین کا تو احصاء بھی مشکل ہے، امام ترمذی نے پندرہ صحابہ گنوائے ہیں ہم نے مزید پندرہ کا اضافہ کیا، چنانچہ مسند احمد و کنز العمال و دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں، ہمارا رسالہ ”التصریح بما تو اتر فی نزول المسیح“ مطالعہ کیا جائے۔

قادیانی نے سوال کیا کہ علماء دیوبند پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں اور علماء دیوبند بریلوی پر۔

ارشاد فرمایا کہ حج صاحب! احقر بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گزارش کرتا ہے کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے، اہل

سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے، علماء دیوبند اور علماء بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے قانون کا نہیں، چنانچہ فقہاء حنفیہ نے تصریحات فرمائی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کلمہ کفر کسی شبہ کی بناء پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی، دیکھو رد المحتار والبحر الرائق۔

☆..... بہاولپور سے واپسی پر ریل گاڑی میں احقر نے عرض کیا کہ سلطان پور لودھی ضلع جالندھر میں حیات عیسیٰ علیہ السلام پر میرا مناظرہ مرزائیوں سے ہوا میں نے مجملہ دلائل کے ایک یہ آیت بھی پیش کی تھی: ﴿فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ بْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ اس پر وہ مرزائی کہنے لگا کہ دیکھو دیکھو اس نے کیا کہہ دیا، اس میں تو اُمہ، کالفظ بھی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ آیت پاک بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک عیسیٰ علیہ السلام کے مارنے کا ارادہ بھی نہیں کیا، کیوں کہ فرمایا اِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ بْنَ مَرْيَمَ مَوْتَ تُوَدَّرُ كَنَارًا ابھی تک تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ بھی نہیں فرمایا اور عرض کیا کہ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ابھی تو ہے، کیا قیامت آگئی؟ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مر گئے؟ جب سارے مریں گے تو اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرمائیں گے، ہا اُمہ کالفظ سو اس میں کیا حرج ہے اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ابھی تک زندہ ہیں کوئی کفر ہے؟ اس پر بہت مسکرائے فرمایا کہ تو نے بہت اچھا کیا، دیکھو میں بیان کرتا ہوں،

سنو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر باری تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کا ارادہ کر لیں تو کون روک سکتا ہے، خواہ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ہوں خواہ ان کی والدہ بھی ساتھ ہوں کوئی نہیں روک سکتا، اس سے معلوم ہوا کہ اُمہ مفعول معد واقع ہوا ہے اپنے ماقبل سے، مفعول معد کا اپنے ماقبل کے ساتھ فعل میں شریک ہونا کوئی شرط نہیں جیسے استوى الماء والخشبۃ استوائی کا کام فقط پانی نے کیا لکڑی نے نہیں کیا، لکڑی تو ایک جگہ گاڑی ہوئی ہوتی ہے، پانی چڑھتا ہے جب پانی لکڑی کے سرے پر آ جاتا ہے تو عرب والے بولتے ہیں، استوى الماء والخشبۃ مفعول معد واقع ہوا ہے اب دوسری مثال جیسے سرت والنیل یہاں والنیل بھی مفعول معد واقع ہوا ہے۔ کیوں کہ اگر وہ جمع کے لئے ہوتی تو سرت وجری النیل ہوتا کیونکہ پانی کا کام جریان ہے نہ کہ اس پانی کا کام سیر کرنا، اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ میں نے سیر کی مع النیل کے یعنی میں نے نیل کے کنارے کنارے سیر کی۔

تیسری مثال کونو انتمو وبنی ابیک مکان الکلیتین من الطحال، یعنی تم اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ یوں ہو جاؤں جیسے گردے تلی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم یک جان ہو کر رہو، یہاں وبنی ابیکم مفعول معد واقع ہوا ہے، یہ مطلب نہیں کہ تم ہو جاؤ اور تمہارے چچا زاد بھائی ہو جائیں۔

چوتھی مثال مات زید وطلوع الشمس مطلب یہ ہے کہ زید

مرگیا سورج کے نکلنے کے وقت، یہ مطلب نہیں کہ زید مرگیا اور طلوع شمس بھی مرگیا، غرض اس طرح بہت طویل تقریر فرمائی بہت سی آیات اور بہت سے اشعار پیش فرمائے۔

نوٹ: میں اپنے بچوں کو ایک دفعہ ”متممہ آجر دمیہ“ پڑھا رہا تھا، مفعول مع کے بیان میں اس میں یہ سب امثلہ موجود ہیں اور اشعمونی میں بھی ہیں اور حافظ جلال الدین سیوطی کا ایک رسالہ نحو کا ہے اس میں بھی ہے، ”متممہ آجر دمیہ“ میں یہ کمال ہے کہ ہر ایک مسئلہ کی مثال میں قرآن اور حدیث کو پیش فرماتے جاتے ہیں، ”آجر دمی“ کہتے ہیں حبشی زبان میں صوفی کو۔

(۱) حضرت جنتہ الاسلام مولانا مولوی انور شاہ صاحب فتنہ کے معنی کیا کرتے تھے جس میں آدمی کو اپنا دین سنبھالنا مشکل ہو جائے۔

(۲) ان فی ذلک لذكری لمن کان له قلب او الفی السمع وهو شهید۔

اس میں بڑی یادداشت ہے اور فصاحت ہے جس کا دل ہو یا کان لگائے اور وہ حاضر الحواس ہو، شہید کے معنی حاضر الحواس یعنی مغفل نہ ہو۔

ایک دفعہ مولانا محمد ادریس صاحب سیکرڈری کو یہ فرما رہے تھے دیکھنا مغفل نہ بننا۔

(۳) إلیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه۔
اس کا ترجمہ یوں کرتے تھے اس کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو باری تعالیٰ خود اٹھاتے ہیں، کیوں کہ پاک کلمات جو اس کا

کلام ہے اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل نیک تو ہمارا فعل ہے اس کو جب قبول فرماتے ہیں تو اپنی طرف کو اٹھا لیتے ہیں۔

(۴) إذا غلا واشتد۔ جو فقہاء شراب کے معنوں میں لکھتے ہیں اس کا ترجمہ یوں کیا کرتے تھے: جب کہ جوش مارا اور تیز ہوا۔

(۵) ایک دفعہ ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا بدیہی اس کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ سے محسوس ہو سکے، جو چیزیں کہ ہم دیکھتے ہیں یا جو باتیں کہ ہم سنتے ہیں یا جو چیزیں ہم چکھتے ہیں یا جو چیزیں ہم سونگھتے ہیں یا جن چیزوں کو ہم لمس کرتے ہیں وہ بدیہی ہے۔

ایک مولوی صاحب ہمارے ساتھی تھے ان کو مولوی محمد اسحاق کہتے تھے، وہ آج کل شاید ایبٹ آباد کی جامع مسجد کے خطیب ہیں انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ بدیہی کس کو کہتے ہیں سلم العلوم کی عبارت زبانی پڑھ کر سنائی، فرمایا کہ میں تو بدیہی کا مصداق پوچھتا ہوں، اور تم سلم کی عبارت سناتے ہو۔

(۶) حلول معنی ہیں کھپ جانا، خواہ حلول سریانی ہو خواہ طریانی۔
(۷) فرمایا کہ فلاسفہ یونان نے جسم کے معنی کئے ہیں، قابل ابعاد مخلاتہ اور جسم کہتے ہیں جو حیولہ اور صورت جسمیہ سے مرکب ہو، قابل ابعاد مخلاتہ ہونا یہ تعریف صورت جسمیہ پر تو صادق آتی ہے اور حیولہ پر صادق نہیں آتی۔ اور صدر الدین شیرازی کہتے ہیں کہ جو تعریف کہ سب اجزاء پر صادق نہ آئے وہ تعریف جائز نہیں، لہذا ان کے اعتبار سے جسم کی تعریف صحیح نہ

ہوئی۔ میں نے ایک تحریر لکھی ہے جس میں ارسطو کا فلسفہ میں غلطیاں کھانا لکھا ہے، اور وہ تحریر بہت لمبی ہے میں نے دکھایا ہے کہ ارسطو تعریف جسم کی کر نہیں سکا، اور فلاسفہ نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں، میری تحریر امام غزالی سے زیادہ محقق ہے۔

(۸) جب علامہ ابن رشد اندلسی کی کتاب طبع ہو کر آئیں اور میں نے مطالعہ کیا اور ان کا امام غزالی پر رد دیکھا تو میں ابن رشد سے بدظن ہو گیا، لیکن جب ابن رشد مالکی کی ہدایۃ المجتہد اور نہایت المستقصہ مطالعہ کی تو مجھے استغفار کرنا پڑا۔

(۹) فرمایا کہ مجھے ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ اثبات باری تعالیٰ پر نیوٹن نے بڑی عمدہ کتاب لکھی ہیں، فرمایا کہ نیوٹن کی میں نے پندرہ تصانیف دیکھی ہیں میں نے جو رسالہ لکھا ہے اور اس میں جو دلائل قائم کئے ہیں ”ضرب الخاتم علی حدوث العالم“ اور ”مراقبة الطارم“ اس کو نیوٹن نہیں پہنچ سکا، پھر اقبال نے ضرب الخاتم مجھ سے لے لی اور اس نے بہت سے خطوط لکھ کر ضرب الخاتم کو مجھ سے سمجھا۔ میرے نزدیک جو کچھ ”ضرب الخاتم“ کو اقبال سمجھے ہیں اس کو کوئی مولوی بھی نہیں سمجھ سکا۔

(۱۰) ایک دفعہ میرے دریافت کرنے پر بہاول پور میں فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال کو میں نے علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ قلمی دیا تھا، ”غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان“ کہ زمان کیا ہے اور مکان کیا ہے اس کی عراقی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے، نیوٹن نے جو کچھ لیا ہے وہ علامہ عراقی سے

لیا ہے اس کی اپنی تحقیق نہیں، یہ سن کر حیران ہو گیا۔ پھر اس نے یورپ کے اخباروں میں بیانات دیئے، یہ قصہ ۱۹۲۸ء میں جب ڈاکٹر اقبال نے خطبہ صدارت سنایا تھا، بھی سنایا تھا۔

(۱۱) دسمبر ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے السنہ شرقیہ کا ایک جلسہ ہوا تھا جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی تھی، اور احقر بھی اس جلسہ میں شریک تھا، ڈاکٹر اقبال نے یہ قصہ اس میں بھی سنایا تھا اس جلسہ میں کلکتہ تک کے پروفیسر جمع ہوئے تھے اور حیدرآباد سے مولانا حبیب الرحمن صاحب شیردانی بھی ایک جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لائے تھے اس میں تمام پروفیسر حضرات شاہ صاحب کی تحقیقات ڈاکٹر اقبال کی زبان سن کر حیران رہ گئے۔

(۱۲) مولانا غلام محمد صاحب مرحوم برادر خورد مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان فرماتے تھے کہ جب میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں پڑھتا تھا تو، ہمارا سالانہ امتحان لینے کے لئے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب تشریف لائے اور میرا مشکوٰۃ شریف میں امتحان لیا، اور یہ حدیث سنی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تھے، اور میں پانی لینے میں پیش قدمی کرتی تھی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا کہ پیش دستی کرتی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ ہمیں تو استادوں نے پیش قدمی پڑھایا اور اصل ترجمہ پیش دستی ہے۔

(۱۳) ہمارے استاد حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں سہارن پور مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے جب حضرت چلنے لگے تو میں نے حضرت کا سامان اٹھالیا، اور اسٹیشن پر پہنچا دیا۔ اس وقت گاڑی گکینہ تک جاتی تھی، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرا نام محمد انور شاہ ہے میں اس وقت مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں جا رہا ہوں اگر کوئی کام ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ مولانا مشیت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت بجنور ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے ہم اکثر حضرت کو شکار کے لئے گھوڑے پر سوار کر کے لے جاتے تھے جو گھوڑا کہ منہ زور ہوتا تھا اس پر حضرت کو بٹھاتے تھے، حضرت شاہ صاحب بڑے ہی شہسوار تھے اور نشانہ خوب لگاتے تھے، ایک دفعہ ہم نے مکان کا فوٹو کھینچوایا تو حضرت شاہ صاحب نے فوٹو گرافر سے فرمایا کہ تم لوگ یہ مصالحے استعمال کرتے ہو وہ فوٹو گرافر حیران رہ گیا۔

(۱۴) ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پاس سامان نہیں ورنہ میں ہوائی جہاز کی آواز کو بند کر دیتا۔

غرض کہ آپ کی نظر سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں رہی تھی۔ حضرت رائے پوری مولانا عبدالقادر صاحب فرماتے تھے کہ شاہ صاحب تو آیات من آیات اللہ تھے۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس روز بہاول پور پہنچے اس کے دوسرے روز حضرت خاتم المحدثین مولانا سید انور شاہ صاحب کی خدمت میں علماء جمع ہوئے جن میں خاص طور پر قابل ذکر حضرت مولانا مرتضیٰ حسین صاحب مرحوم اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب سہارنپوری اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سہارن پوری اور احقر بھی شامل تھا، اگلے دن چونکہ مولانا محمد شفیع صاحب کی شہادت تھی اس لئے مشورہ ہوا کہ شہادت میں بیان کس طرح دیا جائے، مولانا اسعد اللہ صاحب اور احقر محمد لاکپوری عفا اللہ عنہ کو حضرت شاہ صاحب نے تجویز فرمایا کہ بطور مختار مقدمہ کام کریں، مدعیہ کی طرف سے ہم دونوں مختار مقرر ہوئے، اور ہم نے اس کام کو بزرگوں کے زیر سایہ بحمد اللہ نبھایا۔ میں نے اس مجلس میں عرض کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ”انجام آفتاب“ میں لکھا ہے کہ جس شخص نے کسی اجماعی عقیدہ کا انکار کیا تو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کے رسول کی لعن اور اس کے فرشتوں کی لعنت اور سب لوگوں کی لعنت ہے، پھر مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت جو ایک اجماعی عقیدہ ہے اس کا انکار کیا اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اجماعی ہے اس نے خود ہی عیسیٰ بننے کا دعویٰ کر دیا، حالانکہ علماء نے تشریح کی ہے کہ یہ عقیدہ اجماعی ہے اور اس کا منکر کافر ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و تکریم کرنا اور ان پر اعتماد کرنا بھی اجماعی عقیدہ ہے، چنانچہ علماء نے اس کی بھی تشریح کی ہے کہ تو بین انبیاء علیہم السلام العیاذ باللہ تو بین کرنا تو کفر ہے،

چنانچہ ”الصارم المسلول“ میں حافظ ابن تیمیہ نے قرآن اور حدیث اور بے شمار علماء کی کتابوں سے اس مسئلہ کو خوب لکھا ہے، میں نے جب یہ بات کی تو حضرت شاہ صاحب اس کو غور سے سنتے رہے پھر اگلے دن صبح کو میرے پاس مفتی محمد شفیع صاحب تشریف لائے کہ وہ عبارت کہاں ہے میں نے نکال کر پہلے پہلے تو اپنی بیاض میں سے دکھایا، پھر اصل کتاب میں سے وہ عبارت نکالی، جب پکھری کو چلے گئے تو میرے پاس پکھری میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب تشریف لائے کہ وہ عبارت جو تو نے حضرت شاہ صاحب کے سامنے پڑھی تھی وہ مجھے دکھا، پھر میں نے اپنی بیاض میں سے ان کو وہ عبارت لکھوادی، اور اصل کتاب سے بھی دکھادی۔ پھر تو حضرت شاہ صاحب ہر مشورے میں احقر کو بلاتے تھے اور بڑا اہتمام فرماتے تھے، مولانا محمد شفیع صاحب کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم کا بیان ہوا حضرت شاہ صاحب نے بیان دیا، احقر اس خدمت پر مامور تھا کہ کتابوں سے عبارات اور حوالہ جات نکال کر حضرت شاہ صاحب کے سامنے رکھتا تھا یہ میں نے حضرت کی بڑی کرامت دیکھی جس کتاب کے متعلق فرماتے تھے کہ فلاں کتاب سے یہ عبارت نکال تو میں فوراً نکال کر دکھا دیتا تھا اور حضرت اس عبارت کو پڑھ کر صحیح صاحب سے لکھوادیتے تھے۔ درمیان میں قادیانی مختار مقدمہ نے کہا کہ آپ حوالہ دیں، آپ نے فرمایا کہ میں جب حوالہ دینے پر آؤں گا تو کتابوں کے ڈھیر لگا دوں گا، پھر فرمایا کہ حج صاحب انہوں نے کبھی مولوی دیکھے نہیں۔

ضروری ہے کہ اس کا سامان سارے کا سارا مہیا کیا جائے، پس کلمہ اللہ کا اس کا متکفل ہے کیوں کہ یہ علم ہے اس ذات پاک کا جو مجتمع کمال ہے، پھر اس کام کے پورا ہونے تک وہ سامان باقی بھی رہے اس کا رحمن کا کلمہ متکفل ہوا یعنی بقاء عالم اس کلمہ کے ساتھ مربوط ہے۔ تیسرے پایا جانا ناکدہ اس کام کا، اور یہ صفت رحیمی کا کام ہے کہ اپنی رحمت سے محنت بندوں کی برباد نہیں کرتا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جامع الادیان ہے اس لئے تسمیہ میں یہ نام جمع فرمائے گئے، عربوں کے ہاں تو کلمہ اللہ کا مشہور ہی تھا (بنی اسماعیل میں) بنی اسرائیل میں لفظ رحمن مشہور تھا۔ ﴿قُلْ ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایما تدعوا فله الاسماء الحسنی﴾ قرآن عزیز نے دونوں اسماء کو جوڑ دیا کہ جو اسم بھی پکارو سب اسماء حسنی ہیں، پہلے عرب یوں کہتے تھے وما الرحمن آغضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تھا، پھر قبلہ تا قیامت کعبہ شریف ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں سے ہیں جب کہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو کعبہ شریف ہی کا رخ کریں گے اور حج بھی کریں گے یعنی شریعت محمدیہ پر عمل درآمد کریں گے، یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ سب ادیان ایک ہو گئے اور محمد رسول اللہ ہی خاتم الانبیاء ہیں یہ عملی طور پر ثابت فرمادیں گے۔ بزرگان دین نے ان اسماء کا ورد کرنا فرمایا ہے تاکہ ان کی برکت سے دینی و دنیاوی نعمتیں ملتی رہیں۔

سورہ فاتحہ

الحمد لله رب العلمين

(ف) بسم اللہ شریف اگرچہ فاتحہ کا جز نہیں لیکن قرآن کا جز و ضرور ہے اور اس کا پڑھنا شروع رکعت میں اکثر کے نزدیک واجب ہے، زیلعی شرح کنز اور زاہدی نے مجتہبی سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح روایت ہے۔

ابو حنیفہ سے (وہابیہ میں ہے) نے اپنے مظلومہ میں فرمایا ہے:

ولو لم یسمل ساھیا کل رکعة

فیسجد إذ ایجابھا قال اکثر

کبیری میں بھی لکھا ہے کہ یہی احوط ہے۔

سورہ فاتحہ لکھ لکھ کر یہاں حمد پر الف لام استغراق کا ہے، یعنی سب افراد حمد کے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جناب باری تعالیٰ عز اسمہ نے اپنی حمد ذات پاک کے ساتھ مخصوص فرما کر بعد میں اس کی تین صفات علی الترتیب ذکر فرمائیں (۱) تربیت، (۲) رحمت، (۳) جزا، اس لئے کہ کوئی کسی کی تعریف جب کرتا ہے یا تو اس لئے کہ اس کے احسانات سابقہ اس کے مد نظر ہوتے ہیں یا زمانہ حال میں اس پر احسان کرتا ہے یا آئندہ کو امید ہوتی ہے کہ مجھ پر احسان کرے گا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بندے صفت و ثنا کریں وہ اس واسطے بھی ہے کہ میں نے ان پر بے شمار نعمتیں پہلے عطا کی ہیں کہ صفت ربوبیت کی رکھتا ہوں ان کو پیدا کرنا اور تربیت ظاہری اور باطنی کرنا اور جو نظر اس پر کریں

کہ اس کی نعمتیں بے شمار فی الحال موجود ہیں کہ رحمن درجیم ہوں۔ اور اگر دو اندیشی کا طریق اختیار کریں تو بھی میں ہی مستحق حمد ہوں کہ جزا بھی میری طرف سے ملے گی، غرض ہر ہر جوڑ کی عبادت الگ الگ ہے، مثلاً دل کی عبادت یہ ہے کہ جو عقائد انبیاء علیہم السلام لائے ہیں ان پر یقین کرنا اور حق مان لینا اور اس پر دوام کر لینا، روح کی عبادت یہ ہے کہ اس کے مشاہدہ میں غرق رہنا اور اس کے مراقبہ میں آرام پانا، اور سر کی عبادت یہ کہ اس کی معرفت میں ڈوبنا رہنا حتی کہ ولاتکس من الغافلین نصیب ہو جائے، غرض عبادت کی حقیقت یہ کہ اس کی مرضیات میں غایت تذلل کے ساتھ اپنے تمام اعضاء اور نگاہری باطنی قوتوں کو لگائے رکھے اور ایک دم بھر کے لئے غافل نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ جب بندہ الحمد لله رب العالمین کہتا ہے تو ادھر سے ارشاد ہوتا ہے حمدنی عبدی اور الرحمن الرحیم کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے ائنی علی عبدی جب مالک یوم الدین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے مجدنی عبدی بندے نے میری بزرگی بیان کی، ایسا کہ نعبد و ایسا کہ نستعین جب کہتا ہے تو فرماتے ہیں ہذا بیئنی و بین عبدی و لعبدی ماسأل یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ سوال کرے گا۔ اور جب اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین أنعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے ہذا لعبدی و لعبدی ماسأل یہ

میرے بندے کا حق ہے اور میرے بندے کو وہ سمجھی ملے گا جو اس نے سوال کیا۔ حدیث کے شروع میں قسمت الصلاة بینى وبين عبدی یہاں پر صلاة بمعنی سورۃ فاتحہ، حدیث بخاری میں یوں بھی وارد ہے وإذا قال الامام: غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا: آمین، جب امام کہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم آمین کہو یعنی الحمد شریف کے ختم پر آمین کہنا چاہئے معلوم ہوا کہ الحمد شریف پڑھنا حق امام کا ہے مقتدی کا حق صرف آمین کہنا ہے۔

جیسے واذا قال الامام: سمع الله لمن حمده فقولوا: ربنا ولك الحمد سو اس کو آہستہ ہی کہتے ہیں آمین بھی آہستہ ہی کہنا چاہیئے، آمین کے معنی اے اللہ تو قبول فرما لے۔ (استجب)

انعمت علیہم، چار قسم کے گروہ ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء صالحین، یعنی آخرت میں ان کے ساتھ حشر فرما۔ عوام کو چاہیئے کہ صالحین کی صحبت اختیار کریں اور ان کے سینوں سے انوار لیتے رہیں ان کا طریق اختیار کر لیں، صالحین بسبب کمال متابعت کے اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں اور اپنے باطن کو اعتقادات فاسدہ اور اخلاق رذیلہ سے دور رکھتے ہیں اور یاد حق میں ایسا لگ جاتے ہیں کہ دوسری طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی ان میں نہیں رہتی تا آنکہ باری تعالیٰ ان کو پھر دوسری جانب سے محفوظ فرما لیتا ہے، ﴿الذین امنوا وکانوا یستقون﴾ اور شہداء وہ حضرات ہیں کہ ان کے قلوب مشاہدات حق میں اور تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں اور

جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے پہنچایا ہے دل ان کے اسی شان سے قبول کر لیتے ہیں، گویا دیکھتے ہیں اسی واسطے راہ حق میں جان دے دینا ان کے لئے آسان کام ہوتا ہے۔ اور صدیق وہ ہیں کہ قوت نظریہ ان کی انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہوتی ہے، اور ابتداء عمر سے جھوٹ بولنے اور دو رنگی سے دور رہتے ہیں امور دین میں بالکل خدا کے واسطے لگے رہتے ہیں خواہش نفس کو ہرگز ہرگز دخل نہیں ہوتا، صدیق کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ارادہ میں تردد بالکل نہیں ہوتا، انبیاء علیہم السلام وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی تربیت براہ راست باری تعالیٰ عز اسما فرماتے ہیں کہ نور پاک کی تاثیر ان میں ایسی کامل ہوتی ہے کہ مطلقاً غلطی اور شبہ ان کے معلومات میں راہ نہیں پاتے ان کو اللہ تعالیٰ محصوم اور محفوظ رکھتا ہے، لہذا لوگوں پر واجب ہے کہ بے تفتیش وجہ کے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام مان لیں، انبیاء پر اعتراض کرنا یہود نے شروع کیا العیاذ باللہ۔

صراط الذین انعمت علیہم۔ گویا ہر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام کے بعد میں تشریف لائے لیکن باطن میں آپ کی ہدایت سابقین انبیاء علیہم السلام میں سرایت کرتی رہی، اولئک الذین ہدی اللہ فبہداهم اقتده یعنی ان کی ہدایت بھی آپ ہی کی ہدایت ہے جو ان کے باطن میں سرایت کر گئی، تو جب آپ ان کی ہدی پر چلیں گے تو یہ درحقیقت ان کا ہدایت پانا آپ کی ہدایت سے ہوا، کیوں کہ آپ کو اولیت باطن حاصل ہے اور ظاہر آخریت ہے، ورنہ بہم اقتده ہوتا، اور حدیث

كنت نبيا و آدم بين الماء والطين وغيرها نصوص اسی طرف مشیر ہیں کہ جو مقدم نبی ہوئے ہیں وہ اپنی بعثت میں آپ ہی کے نائب ہوئے ہیں، بردائیل والی حدیث بھی اسی کی موید ہے۔ فعلمت علم الاولین والآخرین سے مراد انبیاء ہی ہیں جو اول ظہور پذیر ہوئے (ایسے ہی آخرین سے مراد وہ انبیاء جو بہ نسبت اولین کے بعد میں آئے) اور حضور صلی اللہ علی وسلم سے قبل ہی تشریف لائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد شریف کے ظہور سے مقدم تھے، البیواقیت ج: ۲، ص: ۱۸۔

ہدی للمتقین۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ کا اطلاق معانی متفاوتہ پر ہوتا ہے، کبھی ایمان کے معنوں میں آتا ہے والزمہم کلمۃ التقویٰ کبھی توبہ کے معنی دیتا ہے مثلاً ولو ان اهل القرى امنوا واتقوا کبھی طاعت کے معنوں میں آیا ہے، مثلاً ان انذروا انه لا اله الا انا فاتقون، کبھی ترک گناہ پر بولا گیا ہے مثلاً واتوا البيوت من ابوابها واتقوا اللہ کبھی اخلاص کے معنی میں آتا ہے فانه من تقوى القلوب، از فتح العزيز۔

الم یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں، ان سے کیا مراد ہے ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا گیا، بس ہم ایمان لاتے ہیں کہ یہ بھی کلام ربانی ہے ایک راز ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان، ذلک الكتاب یہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی عظمت کی طرف اشارہ ہے لاریب فیہ اس کے برحق اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں، کیوں کہ کھلا عام اور دائمی چیلنج کیا گیا کہ اگر تمہیں ریب ہے تو اس طرح کا کلام بنالاء و یا کم از کم سورتیں ہی بنالاء، کم از کم

ایک ہی سورت بنالاء، تم بھی اہل لسان ہو عرب ہو مکہ معظمہ کے رہنے والے ہو عرب العربیاء ہو، مگر بھگد اللہ آج تک کوئی نہ لاسکا یا تو اس کی مثل لاء یا پھر جب مقابلہ کی تاب نہیں تو اس پر ایمان لاء۔

ہدی للمتقین یہ قرآن ہادی ہے متقین کے لئے، یعنی جو پرہیز کرتے ہیں انہیں اس قرآن سے فائدہ پہنچتا ہے اس کے ہادی ہونے میں تو کچھ شک نہیں لیکن جو اس پر عمل کرے گا اس کے حرام کو حرام سمجھے گا اور حلال کو حلال یقین کرے گا ممنوعات سے پرہیز کرے گا وہی شغایات ہوگا، ورنہ نسخے کے تو شافی ہونے میں کوئی شبہ ہے ہی نہیں۔

الذین يؤمنون بالغیب یعنی جو لوگ ایمان بالغیب لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو ذات اور صفات اور افعال میں یکتا یقین کرتے ہیں، حالانکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا فقط محمد رسول اللہ پر اعتقاد کرتے ہوئے یقین کر لیا یہی ایمان بالغیب ہے تام ثواب اور عقاب یہ سب امور غیبیہ ہی ہیں۔

ایمان کے معنی لغت میں گرویدن، یا ور کردن اور اصطلاح میں انبیاء علیہم السلام کے اعتقاد پر جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں یقین کر لینا اور مان لینا ایمان کہلاتا ہے۔ کفر کے معنی مکر جانا یعنی منکر ہو جانا، یعنی جو امور انبیاء علیہم السلام باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کے سچ ہونے میں شبہ نکالنا یا تکذیب کرنا کفر کہلاتا ہے۔

ویقیمون الصلاة۔ اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کے فرائض واجبات و شرائط سنن مستحبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر دوام کرتے ہیں یعنی

پوری اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ۔ جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں یعنی مال میں غرباء کا بھی حق یقین کرتے ہیں۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلْسَائِلِ وَالْمَحْرُومِ، وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ، يَتَّقُوا لَوْ كُنُوا مِنْ أَهْلِ الْيَقِينِ۔ یہ متقی لوگوں کا ہی تفصیلی حال ہے مومنین اہل کتاب ہی ضروری نہیں کہ اس سے مراد ہوں، چنانچہ فرماتے ہیں ﴿قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفْرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ (پ ۳ رکوع آخری) اور پارہ اول رکوع آخری میں ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ بھی آیا ہے، اور سورہ بقرہ کے آخری رکوع میں یہ بھی آیا ہے ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَأَتْهُ وَكِتَابُهُ وَرَسُولُهُ لَا نَفْرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ﴾، ﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ یعنی یہی لوگ ہیں جن کو اپنے رب کی طرف سے ہدایت مل گئی اور آخر میں کامیاب ہوں گے۔

ایمان کی تحقیق کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا (فتح العزیز) کہ ایمان کا ایک تو وجود ذہنی ہے دوسرا وجود یعنی تیسرا وجود لفظی، وجود یعنی تو اصل ہے ایک نور کی جو بسبب حجاب رفع ہونے کے حاصل ہوتا ہے، جب بندہ مومن میں اس کے رب تعالیٰ شانہ میں حجاب رفع ہو جاتا ہے یہی نور جس کو کمشکوۃ فیہا مصباح اور اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور میں فرمایا ہے جب حجاب رفع ہوتا ہے اور نور ایمان قوت پکڑتا ہے اور اوج کمال کو پہنچتا ہے تو وہ نور پھیل کر تمام اعضاء کو گھیر لیتا ہے، پھر پہلے تو انشراح صدر حاصل ہوتا ہے اور حقائق اشیاء پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر حقائق ہر شے کے متجلی ہوتے ہیں ہر ایک شے کو اپنے مقام پر جلوہ گر پاتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا صدق جن اشیاء کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے تفصیلی طور پر اس پر منکشف ہوتے ہیں، اور اوامر اور نواہی کے موافق حکم الہی پر عامل ہوتا ہے اس حال میں خصائل حمیدہ اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں اور اعمال صالحہ انوار معرفت کے ساتھ مل کر ایک عجیب روشنی پیدا کرتے ہیں ﴿یَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾۔

اور وجود ذہنی ایمان کا دوسرا مرتبہ رکھتا ہے، اول کلمہ لا الہ الا اللہ کے معنی کا انکشاف جس کو گردیدن اور باور گردن بھی کہتے ہیں اس کا نام تصدیق اجمالی ہے، دوم ہر شے کا تفصیلی طور پر منکشف ہونا اور جو ارتباط ان میں ہے اس کو بھی لحاظ رکھنا۔

اور ایمان ایک وجود لفظی شریعت کی اصطلاح میں کلمہ شہادتین کا

اقرار ہے اور کلمات اس کلمہ طیبہ کے زبان سے جاری کرنا۔

ان الذین کفروا، یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر پر ہی مر گئے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آخری عمر میں ایمان لایا اور ایمان پر خاتمہ ہوا تو وہ مومن ہے اس طرح کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اس کا خاتمہ نہ کفر پر ہو جائے۔ کفر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے دین محمدی ہونے سے ہی انکار کر دے، اور معنی انکار کے نہ ماننا ہے خواہ اس کی حقیقت پہنچاتا ہو یا نہ پہنچاتا ہو۔

ختم اللہ علی قلوبہم، یعنی ان کے دلوں پر مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے جیسا کہ و ختم علی سمعہ و قلبہ وجعل علی بصرہ غشاوة کہ استدلال دوسروں کا بھی نہیں سنتے اور ان کی بینائیوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ بالکل دیکھنے نہیں دیتا، دل اور کان پر مہر کا ذکر کیا اور بینائیوں پر پردہ لٹکانا ذکر فرمایا، اس کا سبب یہ کہ یہ چیز بد رکات کو باہر سے اندر کی طرف لاتی ہیں، آنکھ پر پردہ کا ذکر اس لئے کیا کہ پردہ آنکھ کا شعاع کو باہر نکلنے سے روکتا ہے، اور وہی غشاوة رؤیت کا ہے، اور عقلاء کا قاعدہ باندھا ہوا ہے کہ باہر کی چیزوں کے اندر آنے سے روکنے کے لئے مہر کرتے ہیں اور اندر کی چیزوں کو روکنے کے لئے پردہ ڈالتے ہیں۔

ومن الناس یعنی یہ دعویٰ دونوں علموں کا کرتے ہیں علم تو حید اور علم معاد کا یہی دو علم اصل دین ہیں، پس کہتے ہیں کہ ہم نہ تو مشرک ہیں نہ مجنوب حق سے ہیں، حالانکہ ایمان ان کی ذات سے مسلوب ہے کسی وقت نصیب نہ

ہوگا، ان کو منافق کہتے ہیں، نفاق کی کئی اقسام ہیں جیسے کہ احادیث میں مروی ہیں۔

قالوا هذا الذی رزقنا من قبل، یعنی جزا در حقیقت مجزی علیہ کے ظہور ہی کو دوسری شکل میں کہتے ہیں یعنی وہ اعمال ہی ہوں گے جو ثمرات کی اشکال میں نمودار ہوں گے۔ ﴿ذوقوا ما کنتم تعملون﴾ ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خیرا یرہ﴾۔

دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود ز جبر و قدر

آنچہ کہ کشتہ درو خط بہ خطہ جوز جو

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں معنی تنزیہی نے دنیا میں تو لباس کلمات طیبات کا پہن لیا آخرت میں یہی اعمال صالحات اور کلمات طیبات ثمرات اور اشجار کا لباس پہن لیں گے جیسے حدیث میں ہے کہ ایک نہایت ہی جمیل آدمی قبر والے کو مانوس کرنے کے لئے پاس رہے گا وہ نیک عمل ہی اس شکل میں ہوگا معانی مجسد ہو جائیں گے۔

یا ایہا الناس اعبدوا، مخفی نہ رہے کہ باری تعالیٰ نے ان آیات میں پانچ نعمتیں جو دلائل توحید کے ہیں بیان فرمائیں:

اول: انسان کی پیدائش، دوم: پیدائش ان کے باپ دادوں کی، ان دونوں نعمتوں کو ایک جگہ فرمایا۔ سوم: پیدائش زمین کی۔ چہارم: وہ نعمت جو دونوں سے حاصل ہوئی کہ آسمان سے پانی برسا اور زمین سے غلے، پھل جو مخلوق کی غذا ہے۔ ان تینوں نعمتوں کو یکجا لائے وجہ یہ ہے کہ پہلی دو نعمتیں

نفس سے متعلق ہیں اور تینوں نعمتیں جسمانی ہیں، پہلی نعمتوں کو مقدم اس لئے رکھا کہ انسان کو سب سے زیادہ قرب اپنے نفس سے ہوتا ہے پھر اپنے اصول اقرباء ماں باپ وغیرہ سے، پھر زمین جو جگہ انسان کے رہنے کی ہے، پھر جب نظر اٹھاتے ہیں آسمان کو دیکھتے ہیں پھر وہ چیز ذکر فرمائی جو مجموعہ ان دونوں صحن اور چھت سے پیدا ہوتی ہے یعنی بارش، پس جیسا کہ ان انعامات کا دینے والا فقط باری تعالیٰ ہی ہے کوئی اس کا شریک سہم نہیں لہذا شکر میں اسی ہی کو مخصوص کر و کسی چیز کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ چہ جائیکہ اس کا شریک الہیت میں اور اس کی صفات کمال میں ہو۔

قوله تعالى: ﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ﴾، شریعت کے عرف میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی گرویدن باور کردن، جو چیزیں کہ بالیقین معلوم ہیں کہ دین محمدی سے ہیں اس لئے کہ ایمان کو قرآن میں جا بجا دل کے کام سے تعبیر فرمایا گیا ہے چنانچہ ﴿قُلُوبُهُمْ مَطْمِئِنٌ بِالْإِيمَانِ﴾ ﴿كُتِبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانُ﴾ ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دل کا کام یہی تصدیق ہی ہے اور بس، نیز ایمان کا عمل صالح کے ساتھ مقرون فرمایا، ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات اور معاصی کے ساتھ بھی ذکر فرمایا چنانچہ وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا، والذين آمنوا ولم يهاجروا۔ پس معلوم ہوا کہ اعمال نیک کو ایمان میں دخل نہیں نہ اعمال بد سے ایمان درہم برہم ہوتا ہے اور اقرار محض کی بھی بلا تصدیق ندمت کی ہے:

ومن الناس من يقول آمنا بالله وباليوم الآخر وما هم بمؤمنين۔ پس معلوم ہوا کہ اقرار محض تو ایمان کی حکایت ہے، اگر محکی عنہ کے مطابق ہو تو معتبر ہے ورنہ کچھ نہیں، محکی عنہ تو تصدیق ہی ہے۔

تحقیق مقام اس جگہ یوں ہے کہ جس طرح ہر چیز کا تین طرح کا وجود ہے ایمان کا بھی تین طرح کا وجود ہے ایک لفظی، دوم ذہنی، سوم عینی، وجود عینی تو اصل ہے، باقی وجود اس کے تابع ہیں، ایمان کا وجود عینی تو وہ نور ہے جو دل میں حاصل ہوتا ہے اور اس کے سبب سے تمام پردے بینہ و بین الحق رفع ہو جاتے ہیں۔ مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح میں تمثیل مکمل فرمائی گئی۔

چنانچہ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور اس کا سبب بیان فرمایا کہ یہ نور انوار محسوسہ کی طرح قوت وضعف، اشہاد و انتقاص قبول کرتا ہے، چنانچہ آیت و اذا تلیت علیہم آیاتہ زادتهم ایمانا، اس کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جوں جوں حجاب مرتفع ہوتا جاتا ہے وہ نور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ایمان قوت پکڑتا ہے تا آنکہ اوج کمال تک پہنچ جاتا ہے اور خوب بھیل جاتا ہے اور جمیع قوی اور اعضاء کو گھیر لیتا ہے۔ پس اول تو شرح صدر ہوتا ہے اور اشیاء کے حقائق پر مطلع ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ عقائد بیان فرمائے ہیں وہ وجدانی ہو جاتے ہیں۔ اور بقدر انشراح صدر کے ہر امر کے بجالانے میں مستعد ہو جاتا ہے اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے۔ اور وجود لفظی ایمان کا حکم شہادتین ہے۔ أشہد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمد رسول الله۔

ثم استوى إلى السماء، خواه دج ارض کو پہلے کہو خواہ تسویہ آسمان کو پہلے کہو سب درست ہے۔

انسی جاعل فی الارض خلیفۃ اس میں فرمایا گیا کہ مسئلہ توحید کے بعد ایمان نبوت پر لانا فرض ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ اطاعت اللہ جب معتبر ہے کہ اس کے فرمانے پر اس کے غیر کی اطاعت کرے، جیسے اطيعوا اللہ واطيعوا الرسول اور اس میں حسن و قبح کا عقلی یا شرعی ہونا بھی فرمایا گیا، اور عدل اور جور بھی منکشف کیا گیا اور اسماء احکام وعدہ اور وعید بھی بیان فرمائے گئے، اور تقدیر خیر و شر من اللہ تعالیٰ اور یہ کہ سب امور کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور یہ کہ شرف عبودیت میں ہی ہے اور توبہ میں ہے اور یہ کہ لا یسنل عما یفعل وہم یسنلون اور یہ کہ آخری حیلہ مراحم خسروانہ میں اپیل دائر کرنا ہے۔ اور یہ کہ سبقت رحمتی غضبی اور اس میں یہ کہ تفصیل انبیاء علیہم السلام کی سب پر ہے، اور مسئلہ جبر و قدر بھی اس میں آگیا انسی أعلم ما لا تعلمون، جو کچھ کہ آدمی کے جوارح و اعضاء پر ظہور پذیر ہوا ہے اول اس کا وجود مرتبہ روح میں ہوتا ہے پھر قلب میں پھر قوی نفسانیہ میں پھر جوارح اور اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے، بسی من کسب سیئۃ و احاطت بہ خطیئۃ فأولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون۔ اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قل لن تمسنا النار إلا ایاماً معدوۃ اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ مینی تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی

کے دو مرتبے رکھے ہیں ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب چانتا ہو اور عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین چانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے ایسا ہی زنا چوری، لواطت بھی حرام ہیں کبار ہیں لیکن حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے اس مرتبہ کا نام فسق و جور اور عصیان ہے عیاذاً باللہ۔ اس کو دو عید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دیا ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ عند اللہ کے بعد ختم ہو جائے گا عذاب دائمی نہیں ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو، مثلاً جو چیز کہ نفس الامر میں ثابت ہے خواہ از قسم الہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو خواہ شعائر اللہ کے تعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو اس کو جو داور کفر اور زندقہ والحاد کہتے ہیں، اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کا وعید سنایا ہے، اسی کو کہتے ہیں کہ الفاسق لا یخلد فی النار والکافر خالد فی النار۔

چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہود ہی تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے وہ اپنی غباوت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا، اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔ اس فرقے نے اپنی کمد ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنوں میں نہ کیا اور کہہ دیا لن تمسنا النار إلا ایاماً معدوۃ، حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس کو اس طرح رد کیا کہ کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے؟ اتخذتم عند اللہ عہداً ام تقولون علی

اللہ ما لا تعلمون۔ کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں، پس نص صریح غیر مائل جس کو عہد کہتے ہیں اس بات میں مفقود تھی، اور تاویلات اعتقادات اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے، نیز یہ کہ تحقیقی بیان سے ان کے شبہ کو حل فرمادیا کہ ہلی من کسب میثۃ و احاطت بہ خطیئہ کہ فساد علم و عمل اور خرابی عقیدہ و اعمال کی اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ کی مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے موجب غلود فی النار کا ہے۔ جس فرقہ میں بھی پایا جائے گویا ہری میں گلہ گو ہی ہو اور دعویٰ بھی دین داری کا رکھتا ہو۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ معصیت کو مباح جاننا بھی کفر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے عذاب کا خوف بھی اٹھ جائے اور معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے، زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈارنے کے لئے یہ عذاب کی دھمکی ہے۔ والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ، مراجعت کرو فتح العزیز کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

ولقد آتینا موسیٰ الكتاب، یعنی ہم نے سب سے بڑی نعمت کتاب دی اور بنی اسرائیل سے عہد و بیان لئے۔ سب سے بڑا عہد یہ تھا کہ ہر پیغمبر کی اطاعت کرنا اور ان کی توقیر کرنا لازم جانو۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بعد لگا تار رسول بھیجے، حضرت یوشع، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت یونس، حضرت عزیر، حضرت حزقیل، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ

کو عطا کیا تھا جو کچھ عطا کیا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے قصیدے میں فرمایا ہے، کذا فی النہایہ:

نبی خص بالتقدیم قدما
و آدم بعد فی طین و ماء
علا و دنا و جاز الی مقام
کریم خص فیہ بالاصطفاء
بد اقمرب بدر فی نجوم
من الاصحاب اهل الاقتدا
ولم یر ربہ جہرا سواہ
بسر فیہ جل عن امتراء

(تحیۃ الاسلام مع عقیدۃ الاسلام ص: ۳۹)

و کان عیانا یقظۃ لا یشوبہ
منام ولا قد کان من عالم الرؤیا

اور عروج بیداری کی حالت میں تھا ملاوٹ نہیں تھی نیند کی اور نہ تھا خواب کے عالم سے۔

اور شیخ اکبر نے بیداری کی حالت میں رؤیا کے حاصل ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور شرح مواہب لدنیہ ذرقانی مصری ج: ۶ ص: ۱۱۹ میں بھی ابن السیر نے نقل کیا ہے ص: ۲۳۵ ج: ۸: شرح المواہب اللدنیۃ

للزرقانی، العیان بکسر العین المشاهدة.

قد التمس الصديق ثم فلم يجد

وصحح عن شداد البيهقي كذا

بیٹک آپ کے مقام پر تلاش کیا حضرت صدیق نے پس آپ کو نہ پایا، اور اس کو صحیح فرمایا حضرت شداد بن اوس سے امام بیہقی نے اسی طرح۔

اور یہ روایت طبرانی اور بزار میں بھی ہے اور جلد: ۳ ص: ۱۴ پر امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام بیہقی نے اس کی اسناد کو صحیح فرمایا ہے اور زوائد کشی میں بھی ہے اور انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے، اور دلائل میں بھی ہے جیسا کہ امام زرقانی نے فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے، اور فتح الباری ج: ۷ ص: ۱۴ میں بزار اور طبرانی کا حوالہ دیا ہے، اور دیکھو شفا قاضی عیاض۔

رأى ربه لما دنا بفواده

ومنه سرى للعین مازاغ لا يطغى

جب آپ قریب گئے تو اپنے رب کو دیکھا اپنے قلب مبارک سے اور قلب سے رویت سرایت کر گئی آنکھ تک جو کہ مازاغ تھی اور ماٹھی تھی نہ آنکھ نے تجاوز عن الحد کیا اور نہ ہنسی۔ ما کذب الفرداد مارأى

رأى نوره إنسى يراه مؤمل

و أوحى إليه عند ذلك بما أوحى

اور آپ نے باری تعالیٰ کے نور کو دیکھا اور امید کرنے والا کہاں دیکھ

سکتا ہے اس کو۔ اور باری تعالیٰ نے اس وقت آپ پر وحی کی جو بھی وحی کی۔

بحسنا قال البحث إثبات روية

لحضرتہ صلی علیہ کما یرضی

ہم نے بحث کی اور بحث کا انجام یہ ہوا کہ باری تعالیٰ کی رویت ثابت کی جائے۔ آپ کی جناب کے لئے آپ پر اللہ تعالیٰ درود بھیجے جیسا کہ راضی ہو۔

وسلم تسليما كثيرا مباركا

كما بالتحیات العلی ربہ حبیبی

اور سلام بھیجے اللہ تعالیٰ بہت بہت سلام جس کے ساتھ برکتیں بھی ہوں۔ جیسا کہ التحیات للہ والصلوات والطیات فرما کر آپ نے اپنے رب کو سلام کیا۔

یہ مرقات شرح مشکوٰۃ ص: ۳۳۱ ج: ۲ میں ابن مالک نے سارا قصہ نقل کیا ہے۔

قال ابن ملک: روى أنه صلى الله عليه وسلم لما عرج به اثنى على الله تعالى بهذه الكلمات، فقال الله تعالى: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، فقال عليه السلام: السلام علينا وعلى عباد الصالحين، فقال جبريل: أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. وبه يظهر وجه الخطاب وأنه على حكاية معراجہ علیہ السلام فی

آخر الصلاة التي هي معراج المؤمنين، (ص: ۱۱۱ عمدة القارى جلد ۲ مصرى) قال الشيخ حافظ الدين النسفى: التحيات العبادات القولية، والصلوات العبادات الفعلية، والطيبات العبادات المالية. (عمده القارى ج: ۳ ص: ۱۱۲)

كما اختاره الحبر ابن عم نبينا

واحمد من بين الأئمة قد قوى

رويت کا ہونا اختیار کیا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس نے اور اماموں میں سے امام احمد بن حنبل نے اسی کو قوی کہا ہے۔ (نیز شمیم الریاض جلد: ۱ ص: ۲۹ مطبوعہ لکھنؤ میں بھی ہے)۔

ف: امام احمد بن حنبل نے ایک مرفوع حدیث بھی بیان فرمائی ہے مسند احمد اور زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص: ۱۱۹ جلد ۲۔

ف: فی الأوسط یاسناد قوی عن ابن عباس قال: رأى محمد ربه مرتين. ومن وجه آخر قال: نظر محمد الى ربه، جعل الكلام لموسى والخلة لابراهيم والنظر لحمد، فإذا تقرر ذلك ظهر أن مراد ابن عباس هنا برؤية العين المذكورة جميع ما ذكر صلى الله عليه وسلم، وهكذا فى زرقانى ج: ۲، وابن كثير ج: ۳، زرقانى جلد: ۲ ص: ۳، وفى البخارى (ص: ۵۵۰ ج اول) عن عكرمة عن ابن عباس رضى

الله تعالى عنهما فى قوله تعالى: وما جعلنا الرؤيا التى أرىناك إلا فتنة للناس قال: هى رؤيا عين.

فقال إذا ما المروزی استبانہ

رآه رأى المولى ف سبحان من أسرى

پس آپ نے فرمایا (یعنی امام احمد بن حنبل) نے جیسا کہ امام مروزی نے آپ سے بیان کرایا دریافت کیا

اس کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں آپ نے اپنے مولا کو دیکھا ہے، پس پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات۔

فتح الباری جلد ۸ ص: ۳۳۱ مصرى بخارى ج ۲ ص ۱۱۰۲ میں کئی دفعہ آیا ہے: فاذا رأيت ربى وقعت له ساجدا. فى كتاب السنة عن

اسحاق بن منصور بن بهرام الكوسج التميمي المروزی نزىل نيسابور، أحد الأئمة الحفاظ الثقات، روى عن الجماعة

سوى ابو داود قال الخطيب: كان فقيها عالما، وهو الذى دون المسائل عن احمد مات سنة إحدى وخمسين مائتين،

زرقانى، شرح المواهب اللدنية (جلد ۶ ص، ۱۱۹ مصرى)

رواه أبوذر بن أن قد رأيتہ

وانى أراه ليس للنفى بل ثنيا

اور حضرت ابوذر غفارى نے اس کو روایت کیا ہے کہ آپ نے ذات باری تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

اورانی ارادہ یہی ہے لئے نہیں ہے بلکہ کس نفس کے لئے ہے امام سہیلی نے بھی یہی فرمایا ہے۔

نعم روية الرب الجليل حقيقة

يقال لها الرؤيا بالسنة الدنيا

ہاں رب جلیل کی رویت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسی کو رویا کہا جاتا ہے دنیا کی زبانوں میں۔

فتح الباری عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں ”رؤیا عین“، کتاب التعمیر فتح الباری ج ۲ وج ۷ ص: ۳، زرقانی ج ۶، امام ابن کثیر ج ۳ از ص: ۱۳ تا ۱۴۔

فی عمدة القاری (ج ۱ ص: ۳۰): قید به للإشعار بأن الرؤيا بمعنى الرؤية فى البقطة.

والأفمراى جبریل عوادة

ولیس بدیعاً شکله کان أو اوفی

ورنہ پس حضرت جبریل کا دیکھنا تو کئی بار تھا یہ کوئی نئی بات نہیں تھی خواہ کسی شکل میں دیکھا ہو، بعض نے لکھا ہے کہ حضرت جبریل آپ پر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔

وذاک فى التنزیل من نظم نجمه

إذا ما رعى الراعى ومغراه قد وفى

اور یہ یعنی رویت کا مسئلہ قرآن شریف میں سورۃ النجم میں ہے۔ جب کہ رعایت کرنے والا غور کرے اور اصل مقصود کو پورا ادا کرے۔

وکان ببعض ذکر جبریل فانسری

إلى كله والطول فى البحث قد عنى

اور بعض طریقوں میں حضرت جبریل کا ذکر ہے، یہ کل کی طرف سرایت کر گیا اور بحث کے طول نے تھکا دیا۔

وکان إلى الأقصى سرى ثم بعده

عرجا بجسم ان من حضرة أخرى

مسجد اقصیٰ تک تو اسراء تھی پھر اس کے بعد جسم کے ساتھ عروج تھا ہاں دوسرے دربار تک۔

عرجا إلى أن ظللته ضيابة

ويغشى من الأنوار إياه ما يغشى

عروج یہاں تک تھا کہ آپ کو ایک بدلی نے ڈھانپ لیا اور انوارات نے آپ کو ڈھانپ لیا جس طرح کہ ڈھانپ لیا۔

ويسمع للأقلام ثم صريفها

ويشهد عينا ماله الرب قد سوى

اور آپ وہاں صریف الاقلام سنتے تھے، صریف الاقلام یعنی قلموں کے چلنے کی آواز۔ اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے تیار کیا تھا۔

ومن عصى فيه من هنات تفلسف

على جرف هار يقارف أن يردى

اور جو آدمی فلسفہ کی غلط باتوں کو دانتوں سے کاٹے وہ ایسی گھائی پر ہے جو گمراہی چاہتی ہے قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔

كمن كان من أولاد ماجوج فادعى

نبوته بالغى والبغى والعدوى

جیسا کہ وہ آدمی جو یا جوج ماجوج کی اولاد سے ہے پس اس نے دعویٰ کر دیا اپنی نبوت کا اپنی گمراہی سے بغاوت اور تعدی سے۔

ومن يتبع فى الدين اهواء نفسه

على كفره فليعبد الملات والعزى

اور جو آدمی دین میں اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے وہ اپنے کفر میں لات وعزى کو پوجتا پھرے۔

فائدہ: علامہ تفتازانى نے فرمایا کہ معراج کے استحالة کا دعویٰ کرنا باطل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قرآن وحدیث نے تصریح فرمائی ہے لہذا اس کی تصدیق ضروری ہے۔ اور علامہ زرقانی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات میں اس بات پر قادر ہے کہ ایسی حرکت سر بیج حضور کے بدن میں پیدا کر دے، امام رازی فرماتے ہیں کہ اہل تحقیق نے فرمایا کہ بیداری کی حالت میں حضور کی روح اور جسم مبارک کو مکہ سے مسجد اقصیٰ تک

لے گیا، یہ تو قرآن وحدیث نے تصریح کیا ہے لیکن قرآن جیسا کہ قول ہے

بارى تعالىٰ کا: ﴿سبحان الذى اسرى بعبده ليلا من المسجد

الحرام الى المسجد الاقصى﴾ دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ عبد

نام ہے جسد اور روح دونوں کا، تو ضروری ہوا کہ اسراء بھی دونوں ہی سے ہو

یعنی جسد اور روح سے، کیونکہ اگر یہ خواب ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا بروح عبده

یعنی اپنے بندہ کی روح کو لے گیا، دیکھو ﴿أرأيت الذى ينهى عبدا إذا

صلى﴾، میں مجموعہ جسد اور روح مراد ہے، کیونکہ یہاں پر عبد تو محمد صلی اللہ

علیہ وسلم ہیں اور روکنے والا نماز سے آپ کو ابو جہل تھا، وہ آپ کو نماز سے اپنی

روح کے ساتھ نہیں روکتا تھا۔ اور سورہ ”جن“ میں ہے ﴿وانه لما قام

عبد الله يدعوه﴾ یہاں پر عبد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور يدعوه

سے مراد بھی آپ ہی ہیں، یہاں پر روح اور جسد ہی مراد ہے، ایسے ہی

اسری بعبده میں روح اور جسد جو مراد ہے۔ رہی حدیث وہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا قول اسری ہسی ہے، کیونکہ فعلوں میں اصل یہ ہے کہ وہ یقظہ پر

محمول کئے جائیں، جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو عقلی شرعی۔ قاضی

عیاض نے فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ معراج کے سارے قصہ میں روح اور جسد

دونوں ہی مراد ہیں اور ظاہر سے عدول نہ کیا جائے گا اور حقیقی معنوں سے اور

طرف نہیں پھرا جائے گا اور اسری کے جسم اور روح کے ساتھ بیداری کے

عالم میں ہونے میں کوئی استحالة نہیں۔ اور یہ جو باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ما زاغ البصر وما طغى یعنی عجائبات ملکوت سے نظر نہیں پھری اور نہ اس

سے تجاوز کیا، کیوں کہ البصر بیدار کی حالت میں ہی دیکھنے کو کہتے ہیں اس کی شہادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا القدر ای من آیات ربہ الکبریٰ۔ اگر یہ فہم میں ہوتا تو اس میں کون سی آیات تھیں جو خارق العادت ہوں؟ اور ان کے تکذیب کرنے کی کوئی وجہ نہیں، یہ بھی متواتر حدیثیں ہیں کہ آپ کے لئے براق پیش کیا گیا، معلوم ہوا کہ آپ کی معراج روح اور جسد کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور ابن کثیر نے اپنی کتاب کی تیسری جلد کے شروع میں اس کو خواب لکھا ہے پھر اخیر میں فرماتے ہیں کہ حافظ عمرو بن تھیب نے اپنی کتاب ”التوہید فی مولد السراج المنیر“ میں لکھا ہے کہ حدیث اسراء حضرت انس سے بھی مروی ہے اور حضرت عمر بن خطاب سے، ابن مسعود، ابو ذر، مالک بن صعصعہ، ابو ہریرہ، ابوسعید الخدری، ابی حنیہ، ابی لیلیٰ، عبداللہ بن عمر، جابر، حذیفہ، ابوالیوب، ابوامامہ، سمرہ بن جندب، ابی النضر، صہیب رومی، ام ہانی، عائشہ صدیقہ، اسماء (دونوں حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادیاں ہیں) وغیرہم سے بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور اس مسئلے پر اتفاق کیا ہے تمام مسلمانوں نے اور اعراض کیا ہے زندیقوں اور ملحدوں نے۔

امریکہ سے ایک رسالہ ماہواری لائف نکلتا ہے نیویارک سے، اس میں جولائی ۱۹۶۳ء کے لائف میں اس مضمون کو خوب لکھا ہے اور آئے دن اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے، روس امریکہ میں یورپ کے مختلف ممالک میں تجربے ہو رہے ہیں۔ سائنس اس بات کو تسلیم کر چکی ہے ایسا سرلیج السیر سفر ممکن الوقوع ہے، چنانچہ لائف ۶۳ء میں درج ہے کہ ”گارڈن کوپر“ نے

صرف ۹۰ منٹ میں ساری دنیا کے گرد بائیس چکر کاٹے اور ساڑھے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے وہ ہوائی جہاز چلا تھا، یہ مضمون ۶۳ء کے چٹان میں شائع ہوا تھا۔ اور بھی بہت سے اخبارات میں مضامین آئے دن آتے رہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فضائی سفر کس قدر سرلیج السیر تھا۔ ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور یہ بھی فرماتے ہیں:

رہ یک گام ہے ہمت کے لئے عرش بریں

کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

حضرت مولانا نظامی فرماتے ہیں،

تن او کہ صافی تر از جان ماست

اگر شد بیک لحظہ آمد روا است

۱۱ نومبر ۱۹۶۶ء کے ترجمان اسلام لاہور میں ہے روس نے بھی ایک

خلائی تجربہ گاہ فضاء میں چھوڑی ہے جو کہ خلا میں ۶۲ سے ۲۲۸ میں تک کی بلندی پر زمین کے گرد چکر کاٹ رہی ہے یہ تجربہ گاہ گذشتہ اکتوبر میں چھوڑی گئی تھی۔

اور حضرت مولانا محمد انور کشمیری نے اپنے قصیدے ضرب الخاتم علی

حدوث العالم میں لکھا ہے کہ

وقد قيل إن المعجزات تقدم

بما يرتقي فيه الخليفة في المدي

چنانچہ آئے دن کے تجربے ہم مشاہد کر رہے ہیں حضرت شاہ صاحب کے اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کے معجزات اس بات کی دلیل ہیں کہ آئندہ کو مخلوقات ان کا تجربہ کرے گی، چنانچہ ریڈیو کی ایجاد اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو جج کے متعلق آواز دی تھی وہ بالکل حق ہے گو اس کے متعلق سائنس ابھی ابتداء ہی میں ہے یعنی حضرت ابراہیم نے تو کعبہ شریف کے بنانے کے بعد ایسی آواز دی تھی جو تا قیامت جن کی قسمت میں حج لکھا تھا ان سب نے لبیک کہی، یعنی حضرت ابراہیم کا آواز دینا بغیر کسی آلہ کے تھا، اور سائنس اب آلات کی ایجاد سے اس طرف ترقی کر رہی ہے تاکہ یہ منوایا جائے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے وہ سب کچھ ممکن الوقوع ہے یا مثلاً ہوائی جہاز کی ایجاد حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے اڑنے کی تصدیق فعلی ہے مگر وہ بغیر آلات کے تھا، اور یہ آلات سے ہے۔ اور جیسے حضرت عمر نے منبر پر کھڑے ہوئے پندرہ سو میل پر آواز بغیر کسی آلہ کے پہنچا دی تھی، فرمایا تھا یا سارية الجبل الجبل اسی طرح حضرت عیسیٰ کا عروج اور نزول ہے۔ الحاصل کہ حشر اجساد اور موت کے بعد سارے عالم کا اٹھنا وغیرہ سب برحق ہیں خواہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہوں۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ کا آسمانوں پر جانا اور قرب قیامت میں آپ کا نزول ہونا سب برحق ہیں اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور یہی صراط مستقیم ہے، واللہ یہدی من

يشاء إلى صراط مستقيم.

یا اللہ ہمیں اپنے فضل سے حضور کا اتباع نصیب فرما اور ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما، ہمیں بزرگان دین کا اتباع نصیب ہو آمین یا رب العالمین۔

☆☆☆

علامہ ابن منیر نے فرمایا ہے کہ تجلی ایک رتبہ ہے بڑا عالیشان وہ ایک حالت ہوتی ہے۔ (بین النوم واليقظة)

ف: جب انسان کثرت سے ذکر الہی کرتا ہے اور اس کی ہڈی ہڈی میں یہ سا جاتا ہے اور اس کو باری تعالیٰ اپنے فضل سے روح کا ذکر نصیب کرتے ہیں اور اس کو سلطان الاذکار نصیب ہو جاتا ہے اس پر اس حالت کا کھلنا آسان ہو جاتا ہے حضرت شیخ عطار فرماتے ہیں۔

خنجر خاموشی و شمشیر جوع

نیزہ تنہائی و ترک هجوع

اور اس مسئلہ کو اہل تحقیق کے سوا کوئی کم سمجھتا ہے علامہ زرقانی چونکہ اہل حقائق میں سے ہیں اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کو خوب لکھا ہے، اور اپنی کتاب میں جا بجا تحقیق کی ہے، زرقانی (شرح مواہب لدنیہ جلد ۶، ۸)۔

در ہمہ سیر و غربتے کشف نقد حقیقے

گر چہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کو بکو

تشریح: تمام سفر میں کوئی حقیقت منکشف نہ ہوئی اگرچہ میں خوشبو کی طرح ہر جگہ پھرا، یعنی اس عالم مشاہدہ میں اس عالم کی حقیقت بالکل منکشف نہیں ہوتی جب تک آدمی عالم برزخ میں نہ چلا جائے، تو بعینہ اس کو بیان نہیں کر سکتا۔

گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے

شرح وہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہو

اگر مجھ کو مرنے کے بعد ایک گھڑی بھی فرصت مل گئی تو تیرے سامنے سب کچھ بیان کر دوں گا۔

دانہ خلاف تخم نے ہرچہ بود ز جبر و قدر

آنچہ کہ کشتہ ای درو خطہ بخطہ جو ز جو

خواہ کوئی اپنے آپ کو مجبور سمجھے یا قادر مطلق سمجھے بہر حال غلہ وہی ہوتا ہے جیسا بیج ڈالتے ہیں جو کچھ تو نے بویا ہے اسی کو کاٹ لے اگر گیہوں بوائے ہیں تو گیہوں کاٹ لو اگر جو بوائے ہیں جو کاٹ لو۔

ظاہر و باطن اندراں پہنو اوائے و غل داں

نے بعد ادیک زدو جب بجنوب دو بدو

یہ دنیا اور آخرت اس طرح ہیں جیسے کھجور کا درخت اور گٹھلی ہوتی ہے یہ دونوں جہاں اس طرح نہیں ہیں کہ ہم ایک دوان کو کہیں جیسا کہ گٹھلی پھوٹ کر اندر سے کھجور کا درخت نکل آتا ہے، تو گٹھلی تو دنیا کی مثال ہے، اور

کھجور کا درخت عالم آخرت کی مثال ہے خوب سمجھ لینا چاہئے۔

رشتہ این جہاں بین جامہ آن جہاں بین

رشتہ برشتہ نخ نخ تار بتار پو پو

جیسے گٹھلی چھپ جاتی ہے اور کھجور کا درخت ظاہر ہو جاتا ہے بعینہ اسی طرح یہ بدن تو بظاہر چھپ جاتا ہے اور روح ظاہر ہو جاتی ہے، بعینہ تانا بانا اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ روح چوں کہ اس جہاں کی چیز ہے اس کے آثار قبر ہی سے ظاہر جاتے ہیں اور بدن چونکہ اس جہاں کی چیز ہے یہ بظاہر لٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

ہست جزا ہو عمل سم کہ خورد شود مرض

بیخ و شجر ہو ہو تخم و ثمر چنو چنو

جزا جنس عمل سے ہوتی ہے قرآن شریف میں آتا ہے ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلُمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ سورہ کہف۔

جو کوئی ذرہ کے برابر نیکی کرے گا اس نیکی کو دیکھ لے گا جو کوئی ذرہ کے برابر برائی کرے گا وہ اس برائی کو دیکھ لے گا۔ سارے قرآن کو دیکھ لو یہی آتا ہے کہ جو کچھ کیا ہے وہی ملے گا۔ وَأَنْ لِّیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى جو آدمی زہر کھاتا ہے وہی زہر مرض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو جڑ ہے وہی شجر ہے جو پھل ہے وہی بیج ہے مشہور ہے کہ بیج جب ٹہنی کے ہاتھ چڑھتا ہے اس کا

نام پھل ہوتا ہے۔

قبر کہ بود اورے سوئے جہان دیگرے

غیب شود شہود از دیدہ بدید رو برو

قبر میں جا کر اپنے سب اعمال منکشف ہو جائیں گے جب روح ظاہر ہو جائے گی کیونکہ روح لطیف ہے اس واسطے اس لطیف کو لطیف چیزیں سب نظر آجائیں گی یعنی عالم قبر دوسرے جہاں کے لئے ایک روشن دان کا کام دے گی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی کے لئے جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں اور ہوائیں آتی ہیں اور برے آدمی کے لئے جہنم کی گرمی محسوس ہوتی ہے، اور قبر کو فرمایا گیا کہ یا تو ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے جہنم کے گڑھوں میں سے، یعنی عالم غیب قبر میں منکشف ہو جائے گا گو یا قبر ایک دروازہ ہے عالم غیب کے لئے۔

منکشف آن جہاں شود گرچہ دریں جہاں بود

زندگی دگر چنو ذرہ بذرہ مو بہ مو

وہ جہاں بالکل واضح ہو جائے گا اگرچہ بظاہر قبر تو اسی جہاں میں ہوتی ہے اس جہاں کی زندگی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔

مردن این طرف بوزیستن دگر طرف

روزن باز دید تو طبقہ بطبقہ تو بتو

اس طرف کا مرنا اس طرف کا جینا ہے عالم آخرت کے تمام طبقات اس پر کھل جاتے ہیں اور اس روشن دان سے نظر آ جاتے ہیں جیسا کہ احادیث

میں صاف مذکور ہے مشہور ہے کہ یہ راستہ آنکھ بند کرنے سے طے ہوتا ہے جو برزخی آدمی ہوتے ہیں ان پر عالم برزخ منکشف ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے، وإن جہنم لمحیطۃ بالکافرین بے شک۔ جہنم احاطہ باندھے ہوئے ہے کفار کا کہ کافر کو جہنم حقیقتاً گھیرے ہوئے ہے قیامت کے روز یہ زمین کا گولہ اٹھا دیا جائے گا نیچے سے جہنم نمودار ہو جائے گی، اسی واسطے مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ تو اوپر کو پرواز کر اور ہلکا پھلکا ہو جا، حدیث شریف میں ہے کہ مومن کو کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا، رتل و ارتق۔

تائید شکست صورتے جلوہ نزد حقیقت

جب تک کہ ظاہری صورت نہیں ٹوٹی اس وقت تک حقیقت جلوہ نما نہیں ہوتی مولانا رومی فرماتے ہیں:

ہر بنائے کہنہ کہ آباداں کنند

اول آن بنیاد را ویراں کنند

جو پرانی عمارت کہ اس کو نئے سرے سے بناتے ہیں پہلے اس عمارت کو برباد کر دیتے ہیں اسی طرح اس دنیا کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا، پھر اس میں سے آخرت نمودار کر دی جائے گی، جیسے کہ گتھلی کو زمین میں دبا کر توڑ پھوڑ دیا جاتا ہے اس میں سے کھجور کا درخت نمودار کر دیا جاتا ہے، حقیقتی جہاں یعنی آخرت تب نمودار ہوگی جب یہ جہاں فانی توڑ پھوڑ دیا جائے گا، لہذا قیامت کا آنا برحق ہے، وہ چونکہ رب العالمین ہیں وہ انسان کی تربیت اسی

طرح کرتے ہیں عالم برزخ میں رکھ کر پھر عالم آخرت میں اس کو نمودار کریں گے۔ اسی واسطے انبیاء کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو اس کا یقین دلائیں کہ قیامت ضرور قائم ہوگی۔ یہ تقریر حضرت شاہ صاحب نے بہاول پور میں ۱۹۳۲ء میں فرمائی تھی، پھر میں نے یہ تقریر حضرت عبدالقادر مولا نارائے پوری کی خدمت میں سنائی تو حضرت بہت خوش ہوئے اور تصدیق فرمائی، یہ ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے جب کہ میں حضرت کی خدمت میں ڈھنڈی ضلع سرگودھا میں موجود تھا۔ اب تو نہ حضرت شاہ صاحب رہے جو ان سے استفادہ کیا جاتا اب کوئی نہیں رہا جو ایسی مشکل باتوں کو حل کرے، ایسا بلند اور باریک مسئلہ حضرت شاہ صاحب نے باتوں ہی باتوں میں ایسا حل کر کے رکھ دیا گویا عالم برزخ ہمارے سامنے ہے، مرنے سے پہلے حضرت کے زیر مطالعہ اکثر مثنوی شریف ہوتی تھی، عموماً عالم ارواح اور عالم برزخ کی باتیں کیا کرتے تھے اور یہ تو اکثر فرماتے تھے کہ اب ہمارا آخری مرحلہ ہے کسی کو کیا معلوم تھا کہ اپنے وصال کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

بہاول پور سے چلتے وقت مولا نا غلام محمد شیخ الجامع گھوٹوی رحمۃ اللہ علی سے فرمایا اور مولا نا محمد صادق صاحب سے جو کہ دوم مدرس تھے جامع عباسیہ کے، جب مقدمے کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے تو میری قبر پر آکر آواز دے دینا، ہم نے یہ بات سنی تو معمولی بات سمجھی، جب وصال ہو گیا تو پتہ چلا کہ یہ بھی اپنے وصال کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت کے وصال کے کئی ماہ بعد مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق

میں ہوا تو مولا نا محمد صادق صاحب نے حضرت کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے دیوبند کا سفر کیا اور آپ کی قبر مبارک پر روتے ہوئے آواز دی۔ مولا نا محمد صادق صاحب کو حضرت شاہ سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت مولا نا غلام محمد صاحب دین پوری سے بیعت تھے، حضرت شاہ صاحب کے دربار میں بالکل خاموش رہتے تھے دیے بڑے فاضل تھے علوم مستحضر تھے۔

☆☆☆

حضرت شاہ صاحب کا بہاول پور تشریف لے جانا مولا نا محمد صادق کی زبانی سنئے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

حامداً ومصلیاً

شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف وقدوة الخلف حضرت مولا ناسید محمد انور شاہ صاحب کا شیری قدس اللہ اسرارہم کی بلند ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں، آپ کو مرزائی فتنے کے رد اور استیصال کی طرف خاص توجہ تھی، حضرت شیخ الجامعہ صاحب کا خط شاہ صاحب کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے، اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا اور ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو بہاول پور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا، حضرت کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولا نا عبد

الحنا خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور و ناظم جمعیت علماء پنجاب مولانا محمد صاحب لاکل پوری فاضل دیوبند مولانا محمد زکریا صاحب لدھیانوی وغیرہم بھی تشریف لائے، ریاست بہاول پور اور ملحقہ علاقہ کے علماء و زائرین اس قدر جمع ہوئے کہ حضرت کی قیامگاہ پر بعض اوقات بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی اور زائرین مصافحہ سے مشرف نہ ہو سکتے تھے، ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان شروع ہوا، عدالت کا کمرہ امراء و رؤساء ریاست و علماء کی وجہ سے پر تھا، عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا، باوجودیکہ شاہ صاحب عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے، مرزائیت کا کفر و ارتداد، دجل و فریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرمائے، حضرت شاہ صاحب کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزائی کے ادعا نبوت و وحی مدعی نبوت کے کفر و ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل و حقائق کی توضیح و تفصیل کے لئے جو ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ حضرت شاہ صاحب کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کی فکر کی رسائی سے باہر ہے، ناظرین بہرہ اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحب کے حق میں دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمادیں۔ آمین

☆..... علماء اہل حدیث میں سے جو چوٹی کے علماء ہیں وہ بھی حضرت شاہ صاحب کے فضل و کمال کے مدارج تھے، مولانا ابراہیم صاحب میرسیالکوٹی نے جب قادیان میں آپ کا بیان سنا تو فرمایا کہ اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے۔

دوم مولانا عبدالنواب ملتانی تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی نے علماء اہل حدیث کے مجمع میں حضرت شاہ صاحب کے علمی کمالات اور بزرگی کا برملا اعتراف کیا، مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ نے اس مجمع میں کہا تھا کہ مولانا انور شاہ صاحب تو حافظ حدیث ہیں، مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم متعدد بار ملاقات فرما کر حضرت سے علمی استفادات فرماتے رہے، حضرت شاہ صاحب امرتسر تشریف لاتے تھے علماء اہل حدیث اختلاف کی نسبت زیادہ سے زیادہ تعداد میں حضرت کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے اور اس کا اہتمام خصوصی رکھتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے اپنے اخبار المجدد حدیث میں حضرت شاہ صاحب مرحوم کے وصال پر ایک طویل مقالہ سپرد قلم کیا ہے اور اس میں اپنے درد دل کا اظہار کیا ہے اور حضرت کے مناقب اور علمی فضائل بیان کئے ہیں، اور محبت بھرے الفاظ میں متعدد ملاقاتوں کا ذکر کیا، اور یہ کہا کہ بے نظیر عالم دین رخصت ہو گیا۔

اور مصری علماء میں سے علامہ حضرت مولانا محمد زاہد کوثری نے ”نایب الخطیب“ اور متعدد رسائل اور مقالات الکوثری میں جگہ جگہ حضرت

شاہ صاحب کے علمی تبحر کا برملا اعتراف کیا ہے، کوثری کی یہ سب تصانیف بندہ کے پاس موجود ہیں مقالات کوثری مدینہ منورہ سے بڑی کوشش کے بعد دستیاب ہوئی، اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کوثری حضرت شاہ صاحب سے بہت متاثر ہیں، ”عقیدۃ الاسلام“ مع ”تحیۃ الاسلام“ کے جدید ایڈیشن سے مولانا مولوی محمد یوسف صاحب بنوری کا مقدمہ پڑھنا چاہیے ”نیل الفرقدین“ کی ”تانیب الخطیب“ میں بڑی ہی تعریف کی ہے۔

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد طاسمین صاحب آپ کا ہدیہ متبرکہ خطبات اکفار المسکدین دو عدد نئے پہنچا، الحمد للہ حمدا کثیرا طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ، ہدیہ کیا تھا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جس پر آپ بہت شکر یہ کے اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب نے اکفار المسکدین کا اردو ترجمہ کر کے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان عظیم فرمایا ہے، حضرت مولانا دمند و مناشیخ المسکدین محمد نور شاہ کشمیری کی شاید روح کتنی خوش ہوئی ہوگی اور مولانا محمد ادریس کے کتنے مدارج عالیہ بلند ہوئے ہوں گے، ان کے لئے یہ ترجمہ سرمایہ آخرت ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان عظیم ہے اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ خوش رکھیں۔ مجلس علمی کیا ہے ایک

خوان نعمت ہے جس کو آپ نے مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی نفع کے لئے بچھا رکھا ہے اور ہر وقت اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تاتہ بخشند خدائے بخشندہ

مولانا حاجی محمد صاحب مسلکی ثم افریقی بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ خدا نے ان کو اس طرح متوجہ کیا، حضرت شاہ صاحب کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان کے علوم کو کوئی اپنے لفظوں میں دنیا تک پہنچا دے ”اکفار المسکدین“ تو دنیا بھر میں پہلی کتاب ہے جس میں اصول تکفیر مدون فرمائے گئے ہیں، گویا یہ کتاب حضرت کی ایک الہامی کتاب ہے، ”عقیدۃ الاسلام“ کو بھی آپ نے دوبارہ شائع کیا، اور ”تحیۃ الاسلام“ کو ساتھ ہی ملا دیا اس سے علماء کو بہت فائدہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ خواہش تھی کہ ضرب الخاتم میں جو حوالے دئے گئے ہیں اس کی عبارتیں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے جمع کی تھیں وہ بھی اگر چھپ جائیں تو یہ بڑی خدمت ہوگی۔ ضرب الخاتم بڑی ضروری کتاب ہے جس کو علماء بھی کم سمجھتے ہیں، حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جتنا ڈاکٹر محمد اقبال ضرب الخاتم کو سمجھے ہیں اتنا کوئی مولوی بھی نہیں سمجھا۔ اگر اس کے ساتھ حوالہ جات کی عبارتیں بھی شامل کر دی جائیں تو یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔ خطبات کے شروع میں جو نماز سے متعلق آپ نے مضمون دیا ہے وہ بڑا ہی قیمتی ہے، آپ اگر سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی کے حوالہ کی

بجائے اگر امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریفہ سے اقتباسات لیتے تو بہت اچھا ہوتا، کیونکہ حقیقت صلاۃ تک رستہ حاصل کرنے والے یہ ہی محقق علماء ربانی ہیں جو حقیقت صلاۃ تک پہنچتے ہیں اور ان پر حقائق مشکف ہوتے ہیں۔

میں جب ۱۹۳۹ء میں حج بیت اللہ کو گیا یہ جنوری ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے (حضرت شاہ صاحب کا وصال مئی ۱۹۳۳ء میں ہو گیا یعنی ۳۳ رصفر ۱۳۵۲ھ)۔ یہ واقعہ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ کا ہے اس وقت مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم سندھی مکہ مکرمہ میں تھے، جس دن میں بعد نماز مغرب ان کی زیارت کے لئے گیا وہ مصلیٰ ماکی کے پاس بیٹھے تھے میرے ساتھ میاں جان صاحب مطوف تھے، جب ملاقات ہوئی تو مولانا عبید اللہ نے دریافت فرمایا کہ تو نے کسی سے پڑھا اور تو کسی سے بیعت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حدیث تو حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری سے پڑھی اور بیعت حضرت مولانا محمود الحسن یعنی شیخ الہند سے کی، اس پر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بہت خوش ہوئے پھر فرمایا کہ جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حرمین شریفین میں تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشاہدہ کا حج کرایا میں نے جب کعبۃ اللہ کی دیواروں کو ہاتھ لگایا تو یوں محسوس ہوا کہ یہ دیواریں پتھر کی تو نہیں بلکہ نور کی دیواریں ہیں گویا تجلیات کعبہ ان پر مشکف کر دی گئیں، ان کے نورانی ہاتھ نور کی دیواروں کو محسوس کرنے لگے، پھر فرمایا جب میں روضہ مطہرہ پر مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور روضہ اقدس کی دیواروں کو ہاتھ لگایا تو

معلوم ہوا کہ دیواریں بھی نور کی بنی ہوئی ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی نے ”انجیح الحلیجہ“ میں لکھا ہے کہ ان تعبد اللہ کما انک تراہ یہ تو مشاہدہ ہے۔ اور فبان لم تکن تراہ فبانہ ہر اک یہ حضور ہے اگر آدمی نماز طریقہ پر پڑھے اور ذکر اذکار بھی کرتا جو حتیٰ کہ اس کو باری تعالیٰ روح کا ذکر نصیب کرتے ہیں تا آنکہ اس کا بال بال ذکر ہو جائے تو اس کو حضوری نصیب ہو جاتی ہے، اگر روح کے ذکر کے بعد ذکر سر بھی نصیب ہو تو اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہو اور اس میں استعداد بھی ہو تو مشاہدہ بھی نصیب ہو سکتا ہے، مگر اس میں محنت درکار ہے، ارحی یا بلال اور الصلاۃ معراج المؤمنین اور المصلیٰ پناہی ربہ اور قرۃ عینی فی الصلاۃ وغیرہا احادیث کا مطلب اس پر کھل جاتا ہے، گویا علم تقلیدی سے نکل کر علم تحقیقی نصیب ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالقادر رانچپوری قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے تو فرمایا کہ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آجائے سبحان اللہ کہ حضرت کو نماز ہی کا فکر رہا کہ نماز صحیح طریقہ پر پڑھنا آجائے حضرت گنگوہی سے دعا کروائی، یہ بات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نے کئی دفعہ فرمائی تھی۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں جب کانپور پڑھاتا تھا تو میرا معمول تھا کہ شعبان میں جب میں تھا نہ بھون آتا تو گنج مراد آباد حضرت مولانا فضل رحمن رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کر کے آتا، ایک دفعہ

میں جب حاضر ہوا تو بیٹھتے ہی حضرت مولانا فضل رحمن صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ جو حدیث میں آتا ہے اللہم اعطنی تشوقا الی لقائك شوق کا کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ہی فرمائیں مجھے تو شوق کے معنی نہیں آتے، تو حضرت نے فرمایا شوق کے معنی ہیں تڑپ، یعنی اے خدا اپنے دیدار کی تڑپ عنایت فرما یعنی یہ غم لگا رہے کہ بائیں میں نے کچھ نہیں کیا، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

یہاں جو درخور تو فیک غم پائے نہیں جاتے

انہیں رازِ درون پردہ سمجھائے نہیں جاتے

یعنی سارے غموں کو چھوڑ کر فقط ایک اس کے دیدار کا غم لگا رہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے، جو آخرت کا غم لگائے رکھے خدا اس کے سارے غموں کے لئے کفایت کرتے ہیں، یہ بات کثرت ذکر سے پیدا ہوتی ہے کہ ذکر کی بھوک ویساں لگی رہے اور ذکر اس کی خوراک بن جائے جیسے ملائکہ اللہ کی تسبیح باری تعالیٰ اور تقدیس غذا ہے بندہ بھی اگر اخلاص سے چلے اور محنت کرے تو باری تعالیٰ یہ بات نصیب فرماتے ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رانی پوری رحمۃ اللہ علیہ فقط چائے کی ایک فنجان پر روزہ رکھتے تھے اور سارا دن قرآن شریف پڑھتے رہتے حتیٰ کہ روزانہ کا قرآن شریف ختم کرنا معمول تھا، حضرت رائے پوری یعنی شاہ عبد القادر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن جرأت کر کے دریافت کیا کہ حضرت اتنی تو گرمی کے روزے ہیں اور آپ فقط ایک فنجان پر کفایت کرتے ہیں فرمایا کہ الحمد للہ جنت

کا ذائقہ آ رہا ہے۔

میں نے حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری کی بھی زیارت کی ہے ہمارے حضرت رائے پوری یعنی شاہ عبد القادر چونکہ حضرت شاہ صاحب کے شاگرد تھے، حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری کو بھی حضرت شاہ صاحب سے بھی بڑی محبت تھی اکثر دیوبند تشریف لے جاتے تھے اور حضرت شاہ صاحب بھی رائے پور زیارت کے لئے تشریف لاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت رائے پوری حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے یہ سفر دیوبند کا اسلئے کیا ہے کہ مولانا محمد انور شاہ کو دارالعلوم دیوبند کا رکن بنانا ہے حضرت شیخ الہند سے بھی بڑی ہی محبت تھی۔

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا دسترخوان بہت وسیع تھا حضرت خود کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، ایک دفعہ شور بے کے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر لقمہ منہ میں نہیں ڈالا تا آنکہ دسترخوان اٹھالیا گیا، پھر رات بھر کے جاگنے کا معمول تھا۔

دیوبند بزرگوں میں یہ مشہور تھا کہ حضرت شاہ صاحب جب نماز پڑھتے ہیں تو ٹھیک بندہ بن کر کھڑے ہوتے ہیں، اور حضرت شاہ صاحب کا انشاء بہت ہی بڑھا ہوا تھا، ہمارے ایک استاد تھے حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب وہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر خدا تعالیٰ یاد آتا ہے، یہی اولیاء اللہ کی نشانی ہے، جیسا کہ روایات میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی

اللہ عنہ کے متعلق نماز پڑھنا ثابت ہے، کم از کم میں نے تو اپنی ساری عمر میں حضرت شاہ صاحب جیسا نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت کے چہرہ پاک سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی خشیت بہت ہے۔ الذین آمنوا وکانوا یقفون اولیاء اللہ کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا۔

فقط والسلام

بچوں کو دعوات، اور پیار (۱)

☆☆☆

بعض اوقات سبق کے ضمن میں طلباء کا دل بہلانے کے لئے کوئی بات طرافت کی کہہ دیتے تھے، ایک دفعہ بخاری شریف کے درس میں قصہ سنایا کہ دیوبند میں ایک شاعر صاحب تھے وہ فرماتے تھے کہ ہم بھی تصوف پر شعر کہتے ہیں مثلاً:

الپچی والنہرینا والاسترا

حجام تیرے شوق میں کفگیر لایا ساتھ

کسی نے کہا کہ شعر تو آپ نے خوب سنایا مگر اس میں تصوف کی کون سی بات ہے؟ دوسرے آدمی نے کہا کہ اچی اس میں الف لام تو تصوف کا ہے، اس پر حضرت شاہ صاحب بہت مسکراتے تھے، پھر فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ پہلے مصرع میں قضاء بھی ہونا چاہیئے یعنی

(۱) یہ خط حضرت مولانا طاسین صاحبؒ کے نام ہے، جو ۲۳۶۶ء سے شروع ہوا ہے۔ صبح

الپچی والنہرینا والاسترا قضا

تا کہ وزن درست رہے، پھر وہ شاعر صاحب فرمانے لگے کہ میں کیا شاعر ہوں مجھ سے تو بیچارہ ذوق ہی اچھا تھا اس پر بہت مسکراتے تھے۔

☆..... آپ کی نظمیں بہت ہیں بہت سے قصائد عربی و فارسی ہیں، بعض نظمیں ایسی ہیں جن کا ایک مصرع فارسی اور ایک عربی ہے، عموماً اشتیاقیہ نظمیں بہت ہیں جو اکثر مدینہ شریف کے راستہ میں کہی ہیں، کئی نظموں کا اور قصائد کا مجموعہ ہمارے پاس بھی ہے جو اگر موقع ملا تو شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ، آگے جو اللہ کو منظور ہوگا۔

☆..... فرماتے تھے کہ میں نے شعروں پر کبھی وقت ضائع نہیں کیا جب کھانے پر بیٹھتا تھا تو پنسل اور کاغذ اپنے پاس رکھتا تھا ایک لقمہ کھایا اور ایک شعر کہہ لیا لکھ لیا پس ادھر کھانا ختم ہوا ادھر اشعار ختم ہوئے، مقامات حریری کی طرز پر آپ کی ایک کتاب تھی جس میں کئی ایک مقالے بے نقط تھے۔

☆..... ایک دفعہ احقر حضرت کی زیارت کے لئے حضرت کے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر ایک مسئلہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت فرماتے تھے حضرت نے فرمایا کہ میں خود ہی حاضر ہو جاتا، حضرت آپ نے کیوں

تکلیف فرمائی، فرمایا کہ نہیں مجھے ہی آنا چاہیے تھا، اس طرح حضرت مفتی صاحب کئی بار تشریف لا کر مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مفتی صاحب ہمارے بھی ابن ماجہ شریف اور طحاوی شریف اور موطا امام محمد وغیرہ میں استاذ ہیں، ان کو اجازت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی سے ہے، اور ان کو اجازت حضرت شاہ عبد العزیز سے ہے حضرت مفتی صاحب نے ہم کو اپنی اس سند کی بھی اجازت دی تھی۔

☆..... حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک بار حضرت شاہ اہل اللہ صاحب جو کہ برادر تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے اپنے حجرے میں بیٹھے تھے کہ ایک سپاہی آیا کہ آپ کو بادشاہ سلامت نے بلایا ہے، حضرت شاہ صاحب فوراً اٹھے اور اس سپاہی کے ساتھ چل دئے، وہ سپاہی بجائے لال قلعہ جانے کے دہلی سے باہر پہاڑ گنج کی طرف گیا وہاں جا کر ایک غار کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اس غار میں داخل ہو، جب شاہ صاحب اس غار میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنات کا ایک بہت بڑا مجمع ہے اور جنات کا بادشاہ بیٹھا ہے اور اس کے دائیں جانب ایک بہت بوڑھا جن بیٹھا ہے اور بادشاہ کے سامنے ایک مردہ لٹایا ہوا ہے، اور ایک مرد اور ایک عورت وہاں کھڑے ہیں انہوں نے شاہ صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا اس آدمی نے ہمارے اس بیٹے کو قتل کر دیا ہے، ہمیں قصاص دلوانا چاہیے، حضرت شاہ اہل اللہ صاحب نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قصاص نہیں

لے سکتے کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنی پوشش بدل دی اگر اس کو کوئی آدمی غلطی سے مار ڈالے تو اس مارنے والے سے قصاص نہیں لے سکتے۔

بادشاہ نے اس جن سے جو اس کے دائیں جانب بیٹھا تھا پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے تو اس نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ہی ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی تو میں اس وقت دربار میں حاضر تھا میں نے اپنے کانوں سے اس حدیث کو سنا ہے۔

حضرت شاہ اہل اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے پھر مجھے یہ حدیث سن کر رہا کر دیا اور مجھ سے قصاص نہیں لیا۔ مجھ کو اپنے رہا ہونے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی کہ مجھے اس صحابی جن کے دیکھنے سے ہوئی، پھر شاہ اہل اللہ صاحب نے ان صحابی سے وہی حدیث سنی اور تابعی ہو کر واپس آئے، یہ ہمیں حدیث ترمذی شریف کے درس میں حضرت شاہ صاحب نے سنائی تھی، اس جن کا نام شاہور شہ تھا، یہ واقعہ ۱۳۳۸ھ کا ہے۔

☆☆☆

ظفر (یعنی بہادر شاہ دلی کے بادشاہ) کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جائیے گا، گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

☆..... جب مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی نے جمع الفوائد کے شائع کرنے کا ارادہ فرمایا تو میرٹھ میں بہت سے حضرات کا اجتماع کیا، حضرت تھانوی بھی تھانہ بھون سے تشریف لے گئے حضرت سہارن پوری بھی سب کے سب حاضر تھے، دیوبند سے بھی حضرت شاہ صاحب اور مفتی عزیز الرحمن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب تھے، سب نے تجویز کیا کہ حضرت شاہ صاحب ابتدا کریں، تو حضرت شاہ صاحب نے یہ آیت مبارکہ لکھ کر دی کہ اسے ٹائپ کر کے دکھاؤ، انا فتحنا لک فتحنا مبینا، ماشاء اللہ ٹائپ بہت اچھا آیا سب حضرات بہت خوش ہوئے۔

مولانا عاشق الہی صاحب نے دمشق جا کر حضرت مولانا بدر الدین محدث کے فرمانے پر دمشق سے ستر میل ایک گاؤں میں جا کر یہ کتاب یعنی جمع الفوائد حاصل کی اور بڑی کوشش سے ہندوستان لائے پھر بڑے ہی اہتمام سے اس کتاب کو شائع کیا، اس کتاب میں حدیث کی چودہ کتابوں کی حدیثیں جمع ہیں۔ حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ میں نے اپنا سارا کتب خانہ مدرسہ کی ملک کر دیا تھا مگر یہ کتاب اپنے پاس رکھی تھی۔ حضرت مولانا عاشق الہی صاحب معنوں میں عاشق الہی تھے۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جب کوئی کام دینی یا دنیوی شروع کیا جائے تو اس کے لئے اول یہ

☆..... آپ کے درس میں بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں، چنانچہ ایک مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک رفیق (۱۳۳۶ ہجری میں) جب حضرت شاہ صاحب سے سوال کرتے تھے تو پہلے کہتے تھے کہ بندہ نواز میرا ایک سوال ہے تو آپ فرماتے تھے کہ فرمائیے غریب پرور۔

☆..... ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ ۱۹۰۸ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے اور ہم اس میں غالب رہے، یہ خواب کسی نے اخبارات میں شائع کر دیا، مرزا غلام احمد مناظرے کے لئے تیار ہو گیا ہم بھی کشمیر سے چل پڑے۔ لاہور آ کر سنا کہ مرزا صاحب تو قادیان سے لاہور آ کر کل پیسے سے چل دئے، خیر ہم تو غالب ہی رہے۔

مولانا عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نخستیں سے کہ اندر جام کردند
ز چشم مست ساقی دام کردند
حضرت شاہ صاحب آئے تو اس شعر پر یہ اضافہ کیا:

ز دریائے عجا موج اروہ
حباب انگشت حادث نام کردند

☆..... عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال: إن بلالا رأى في منامه رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول له: ما هذه الجفوة يا بلال؟ أما أن لك أن تزورني يا بلال؟ فانتبه حزينا وجلا خائفا، فركب راحلته وقصد المدينة، فأتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فجعل يبكي عنده ويمرغ وجهه عليه، فأقبل الحسن والحسين رضي الله تعالى عنهما فجعل يضمهما ويقبلهما، فقالا له: نشتهي نسمع أذانك الذي كنت تؤذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد، ففعل، فعلا سطح المسجد فوقف موقفه الذي كان يقف فيه، فلما أن قال: الله أكبر الله أكبر ارتج المدينة، فلما أن قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ازداد رجتها، فلما أن قال: أشهد أن محمد رسول الله خرجت العواتق من خدورهن. وقالوا: أبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فما رأى يوما أكبر باكيا ولا باكيا بالمدينة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك اليوم. رواه ابن عساكر وقال التقى السبكي: إسناده جيد.

فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث آثار السنن جلد ۲ کے اخیر میں بھی ہے اور ابن عساکر کا حوالہ دیا ہے اور تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کی سند جيد ہے، اور اس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلاة میں بھی لیا ہے

اور لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن محرز بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمے میں بھی لکھا ہے۔

ماحصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلال شام کے علاقے میں ایک رات سو رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے کہ اے بلال تم نے کیا جفا کاری کی کہ تم میری زیارت نہیں کرتے، پس حضرت بلال جاگے گھبرا کر اپنی اونٹنی پر مدینہ شریف کا رخ کیا، جب مدینہ تشریف لائے روضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو سلام عرض کیا تو حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ملے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دونوں سے معانقہ فرمایا، اور دونوں کو بدن سے چمٹا لیا اور پیار کیا، ان دونوں نے فرمایا کہ ہم آپ کی اذان سننا چاہتے ہیں، تو نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہی جب اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا تو تمام مدینہ کانپنے لگا، جب اشہد ان لا الہ الا اللہ فرمایا تو اور زیادہ کانپنے لگا اور جب آپ نے اشہد ان محمد رسول اللہ فرمایا تو تمام مدینہ میں چیخ و پکار پڑ گئی، کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے۔

☆☆☆

مکتوب حبشہ (افریقہ)

از عدیس ابابا حبشہ (ایتھوپیا)

بنام مولانا محمد انوری صاحب

یارب صل وسلم دائماً ابداً

علی حبیبک خیر الخلق کلہم

بزرگوارم جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پروردگار رفو الجلال سے قوی امید ہے کہ جناب کی طبیعت باعافیت ہوگی، اللہ تعالیٰ آپ بزرگوں کی شفقت کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے آمین۔ تمام وقت آپ کی صحت عاجلہ مستمرہ کے لئے دعائیں کرتے ہیں، ہم آپ کی دعاء سے روانہ ہو کر کچھ دن رائے ونڈ اور کچھ دن میوات میں گزار کر بخیریت کراچی پہنچے، قانون اور ضابطے کی تمام مشکلات درپیش تھیں جس کو سورت یاسین کا روازنہ ختم اور صلاۃ الحاجۃ سے حل کرایا گیا جس کی تفصیل ان شاء اللہ خود حاضر خدمت ہو کر عرض کریں گے۔

بہر حال پاسپورٹ کرنسی سعود عرب کا ویزہ پچاس سال عمر کا مسئلہ اور سفینہ حجاج میں سیٹوں کا ملنا، پھر ایک آدمی کا مسئلہ نہیں بلکہ عشرہ انصار کا مسئلہ اللہ پاک کے نام کی برکت سے نہ ہونے والے کام بھی ہو گئے، سفینہ حجاج پر سوار ہو کر حاجیوں میں خوب محنت کرتے ہوئے اذانوں اور جماعتوں تعلیموں

اور گشتیوں اور ذکر اذکار کی خوب پابندی، تہجد کا اہتمام اللہ کی توفیق سے کرتے ہوئے بخیریت جدہ شریف پہنچے، جدہ میں مولانا سعید خان صاحب حضرت فریدی صاحب اور بھائی سردار صاحب و دیگر حضرات موجود تھے، مشورہ سے طے پایا کہ چونکہ حاجی حضرات کا حکومت نے پہلے مدینہ منورہ جانا طے کیا ہے اس لئے ان حاجیوں ہی میں کام کرتے ہوئے پہلے مدینہ پاک میں روضہ مبارک پر حاضری کی سعادت حاصل کی جائے، بذریعہ بس مدینہ الرسول کو روانگی ہوئی۔ نماز عصر مسجد نبوی میں ادا کی گئی اس کے بعد شوق اور جذبے کے ساتھ انتہائی شرمندگی اور ندامت کی سی کیفیت میں ڈوبے ہوئے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے بارگاہ رسالت میں ہدیہ صلاۃ و سلام پیش کیا گیا۔ امسال حاضری چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے مسجد نبوی کے باہر تمام راستے محلے اور گلیوں تک نمازیوں سے بھر جاتے تھے، مدینہ پاک میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اور دیگر بزرگوں اور علماء کرام کی خدمت میں بھی دعاؤں کے لئے حاضری ہوئی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب بھی ہندوستان سے تشریف لائے ہوئے تھے، ان کی خدمت میں بھی دعا کے لئے حاضر ہوئے، ان ایام میں افریقہ، انگلینڈ، ترکی، مراکش، امریکہ، افغانستان، ہندوستان، ایران، سوڈان، شام، مصر، حبشہ، فرانس، زیکوسلاویکیہ، انڈونیشیا، ملائیشیا، فلپائن، الجزائر، سالی لینڈ و دیگر کئی ملکوں سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے زائرین آئے ہوئے تھے۔ مسجد نبوی میں صبح ناشتہ کے بعد روزانہ ایک یا دو ملکوں کے اجتماع ہوتے، اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ختم نبوت والی محنت کی طرف متوجہ کیا جاتا۔

الحمد للہ! اجتماعات بہت کامیاب ہوئے، بہت سارے ملکوں کے لوگوں نے اس مبارک کام سے بہت ہی کافی تعارف بتایا، مختلف ملکوں کے یعنی حبشہ سوڈان الجزائر اور ناگجیر یا اور ملک کے علماء اور عوام میں سے بڑے لوگوں کو زیادہ قریب پایا، بہت متاثر ہوئے اپنے اپنے ملک میں کام کرنے اور جماعتوں کی نصرت کے ارادے کئے۔ ایک جماعت انگلینڈ سے بانکس نفر کی اسٹیشن ویگن کاروں کے ذریعہ روڈ پہنچی، اور دیگر تبلیغی کام کرنے والے بذریعہ ہوائی جہاز آئے، اس بانکس آدمیوں کی جماعت نے واپسی پر درمیان میں پڑنے والے ملکوں میں کام کرتے ہوئے جانے کا ارادہ فرمایا، الحمد للہ عجیب فضا بنی ہوئی تھی، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انڈیا سے بھی تشریف لائے ہوئے تھے، جناب گرامی قدر کا ہدیہ صلاۃ و سلام بارگاہ نبوت میں بصد ادب پیش کر دیا گیا، اگر جناب ارشاد فرمائیں تو واپسی پر دوبارہ حاضری نصیب ہونے پر جناب کی طرف سے ہدیہ سلام پیش خدمت رسالت مآب کیا جائے، ہماری جماعت چھ نفری کی حضرت مولانا جلیل احمد کی معیت میں چل رہی ہے جو کہ پہلے ایک سال حبشہ جا چکے ہیں بھائی سردار احمد صاحب لائل پوری سے ملاقات ہوئی بخیرت ہیں اور آپ کو بہت یاد کرتے ہیں، قریب دس یوم کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو واپسی ہوئی حج کے ایام قریب تھے، بیت اللہ پر حاضری ہوئی۔

انوار و برکات کی بارش ہو رہی تھی، حج کا سفر بہت اچھا گذرا دعا

فرمائیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین ثم آمین۔

بذریعہ بحری جہاز مورخہ ۱۶/۴/۶۶ء کو ہماری جماعت جدہ سے حبشہ روانہ ہوئی دو دن ایک رات کے بعد ہم حبشہ کی بندرگاہ ”مسوا“ پر اترے، وہاں سے بذریعہ ریل کار بہت اونچے اونچے پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے حبشہ کے بہت بڑے خوبصورت شہر سمرا پہنچے۔ وہاں پر جامع عبدالقادر میں کچھ یوم قیام کیا، وہاں سے پھر غریب محلوں کی مسجدوں میں غرباء میں کام شروع کیا، بڑی محبت سے دین اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی بابت خوب جم کر سنتے ہیں، صبح کی نماز کے بعد اشراق تک اور مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک اجتماعی ذکر بالجہر کرتے ہیں، تقریباً ہر مسجد میں یہی معمول ہے، غربت اور سادگی بہت زیادہ ہے۔ کچھ دن یہاں گزار کر اب ہماری جماعت بذریعہ بس سفر کرتی ہوئی قریہ قریہ آخرت کی آواز اور حضور ﷺ کی دینی زندگی کی طرف متوجہ کرتی ہوئی عدیس ابابا پہنچی، یہ بھی بہت بڑا مرکزی شہر ہے، راستہ میں حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک بھی ایک بستی میں آئی، مزار بنا ہوا ہے قریباً پندرہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں بہت سکون تھا، فاتحہ پڑھی گئی اور دعائیں مانگی گئیں۔

شاہ حبشہ حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علی وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے، سب سے پہلی ہجرت صحابہ کرام کی اسی ملک میں ہوئی اور حضرت مائی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں پڑھا گیا اور خوب ہدیئے اور خوشبو وغیرہ دے کر اور حق

مہر خود ادا کر کے مائی صاحبہ کی رخصتی بھی یہیں سے ہوئی، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بھی اسی ملک سے نسبت ہے، آپ کی دعاؤں کی برکت کے ساتھ ذکر خوب پابندی سے کرتے ہیں اور تلاوت قرآن پاک بھی خوب ہوتی ہے راتوں کو اٹھنے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، ساتھیوں کا آپس میں خوب جوڑ ہے، موسم سرد خشک ہے، رات کو لحاف کے اندر سوتے ہیں، پانی کی قلت ہے علاقہ خوب سرسبز ہے سوائے پیٹروں کے میدانی علاقہ بہت ہی کم ہے، لکڑی بہت زیادہ ہے مٹی بہت کم ہے، کئی جگہ تو مٹی کم ہونے کی وجہ سے جانوروں کے گوبر سے مکان باہر سے لپے ہوئے ہیں، سبزیوں میں ٹماٹر، آلو، سبز مرچ ہے، بس انڈے ایک ڈالر کے بیس بچھیں ملتے ہیں، ایک ڈالر پونے دو ریال سعودی کا ہے، مویشی کثرت سے ہیں دنبہ یا بکرا چھ مہات سیر وزن کا پانچ چھ روپے میں مل جاتا ہے۔ بڑے شہروں میں کاروبار تو یمن کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے یا ہندوستان کے ہندوؤں کے ہاتھ میں۔

الحمد للہ یہاں کے علماء اور مشائخ کی خدمت میں بھی حاضری ہو رہی ہے مل کر بہت خوش ہوتے اور بہت شفقت فرماتے ہیں، ان تمام شہروں میں ”سمرا“ بہت خوبصورت شہر ہے، منا ہے کہ یہاں ملکہ بلقیس کا پایہ تخت تھا، جس کی ہد ہد نے خبر دی تھی، امید ہے کہ ان شاء اللہ ایک مہینہ کے قریب واپسی تک ہمارا وقت اور لگے گا اس کے بعد واپسی مکہ معظمہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہوگی، کچھ روز حرمین شریفین میں لگا کر براستہ ریاض کویت سے جہاز پر سوار ہو کر ان شاء اللہ کراچی پہنچیں گے، آپ سے مودبانہ گزارش ہے کہ آپ اپنی

خصوصی دعاؤں میں ہم نابلوں کو یاد رکھیں، اللہ پاک ہمارے اللہ کے راستے میں نکلنے کو قبول فرما کر ہماری اصلاح اور تمام عالم کے لئے ہدایت اور رشد کے فیصلے فرمادیں۔ آمین۔

مکرر عرض ہے کہ مراسلہ نگار کو شاید یہ یاد نہیں رہا یہ بات غلام یاسین صاحب نے جو پہلے جیشہ ہوائی ہیں کئی بار ذکر کی کہ غالباً سمرا شہر میں مولانا صالح کا مزار ہے ایک وہاں کے مولوی صاحب نے مزار کی زیارت کرائی ہے، ذکر کیا کہ مولانا محمد صالح دس سال دارالعلوم دیوبند پڑھتے رہے ہیں حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حدیث پڑھی اور کئی سال حضرت کی خدمت میں رہ کر دین میں سمجھ حاصل کی، غلام یاسین صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ مولانا محمد صالح کے وارثوں کے پاس وہ منادات بھی ہیں، جو حضرت شاہ صاحب نے ان کو اپنے ہاتھ مبارک سے لکھ کر دی تھیں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی لکھی ہوئی سند جو حضرت شاہ صاحب کو دی تھی وہ بھی ان کے پاس تھی۔ (یعنی مولانا محمد صالح کے پاس) اور حضرت مولانا محمد صالح صاحب نے جو پہلے شافعی المذہب تھے حنفی المذہب ہو گئے پھر وہاں واپس آ کر اپنے ملک میں اس مذہب کی تبلیغ کی، کوئی تیس میل کا علاقہ بقول محمد یاسین صاحب ایسا ہے جہاں حنفی المذہب لوگ آباد ہیں، وہاں اس مذہب کے مدرسے بھی ہیں، مولانا محمد صالح صاحب نے یہ بھی کیا کہ علماء دیوبند کا لباس اور کھانا یہ بھی وہاں رائج کیا۔

وہ لوگ دیوبند کے ساتھ بے حد عقیدت رکھتے ہیں کتابیں حنفی

المذہب کی پڑھائی جاتی ہیں اب بھی وہاں ایسے مدارس موجود ہیں مولانا محمد صالح صاحب کا تو وصال ہو گیا لیکن ان کے شاگردوں اور وارثین کی کوشش سے مدارس اب بھی جاری ہیں مولانا محمد صالح صاحب کے وصال کو بیس پچیس سال ہو چکے۔

☆☆☆

حضرت شاہ صاحب کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں مثال ما انا قلت کی، جو مختصر المعانی اور مطول میں آیا ہے، ما انا حملتکم ہے، بخاری ص: ۹۹۳ ج: ۲۔

☆☆☆

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في رهط من الأشعريين استحملة، الحديث، من تعوذ بالله من درك الشقاء وسوء القضاء، وقوله: قل أعوذ برب الفلق من شر ما خلق. معلوم ہوا اچھی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا اس کا کیا مطلب ہوا۔ بخاری ص: ۹۷۹ جلد: ۲۔

☆..... قادیانی نے بہاول پور کے مقدمے میں اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو کیوں نہ قتل کرا دیا۔

حضرت شاہ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ بیچ صاحب لکھیے کہ ابن صیاد نابالغ تھا، نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا، یا یہ دن تھے یہود کے ساتھ معاہدے کے، چنانچہ آپ نے بخاری شریف کی عبارت پڑھ کر سنائی، مولانا احمد علی صاحب مرحوم حاشیہ ۱۲ میں ص: ۹۷۹ جلد ۲ پر لکھتے ہیں: لأنه كان غير بالغ.

☆☆☆

”بیرحاء“ فیہ وجوہ، بفتح الموحدة والراء وسكون التحتانية بينهما وبالمهملة مقصورا، (کرمانی) بخاری ص: ۹۹۲ ج: ۲۔

☆☆☆

مولانا محفوظ علی صاحب سناتے تھے حضرت شاہ صاحب کے وصال پر مئی ۱۹۳۳ء میں جب میں دیوبند حاضر ہوا تو مولانا محفوظ علی صاحب مرحوم (۱) سناتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے بلایا کہ اپنی بہن سے تو کہہ دے کہ اپنی بیٹی کے پاؤں سے پازیں نکال دے، میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا، سنایا کہ وہ بچی (حضرت شاہ صاحب کی بیٹی چھ سال کی تھی) میں نے عرض کیا کہ یہ چھ سال کی تو بیٹی ہے اور پازریوں میں باجا کچھ نہیں ہے۔ ابوداؤد جلد ثانی

(۱) اصل کتاب میں اس واقعے میں نام اسی طرح مذکور ہیں، مگر بظاہر اس میں ناموں کو ذکر کرنے میں کوئی خطا معلوم ہوتی ہے۔ صحیح

ص: ۲۲۹ مطبوعہ مجتہائی دہلی میں ہے: قال علی بن سهل: ابن الزبیر
أنعبره أن مولاة لهم ذهبت بابن الزبیر إلى عمر بن الخطاب
فی رجلها أجراس، فقطعها عمر ثم قال: سمعت رسول الله
صلی الله علیه وسلم إن مع كل جرس شیطانا.

حضرت شاہ صاحب کا اتقاء دیکھئے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ
عنه نے تو وہ پازیمیں نکالی تھیں جس میں باجا تھا، مگر حضرت شاہ صاحب بغیر
باسجے کی پازیوں سے بھی بچتے رہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے
یعنی روزوں کی قرتی نہ ہوگی یہ بات غلط ہے۔ مسلم شریف میں ایک حدیث
آئی ہے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے بھی قرق ہوں گے وہ
حدیث یہ ہے: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: أتدرون ما
المفلس؟ قالو: المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع، فقال: إن المفلس
من امتی من یأتی یوم القیامة بصلاة وصیام وزکاة، ویأتی قد شتم هذا
وقذف هذا وأکل مال هذا، وسفک دم هذا وضرب هذا، فیعطی هذا
من حسناته وهذا من حسناته، فان فیت حسناته قبل أن یقضى ما علیه
أخذ من خطایاهم فطرح علیہ ثم طرح فی النار. (مسلم شریف جلد
ثانی ص: ۳۲۰ مطبوعہ دہلی)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کی طرح روزے بھی کاٹے جائیں گے
جس نے یہ مطلب لیا ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے وہ غلط سمجھا۔

حضرت شاہ صاحب کی ایک اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی بڑی عمدہ تقریر
(صیام کے متعلق) تھی جو کسی زمانے میں مہاجر میں چھپی تھی، فیض الباری میں
بھی اس کی تعریف کی گئی ہے ہمارے پاس یہ تقریر محفوظ تھی، مگر افسوس کہ
۱۹۴۷ء کے خونریز ہنگامے میں وہ رائے کوٹ ہی رہ گئی۔

فرمایا کہ ایک مرزائی قادیانی مجھے کہنے لگا کہ شاہ صاحب ہمارا بھی
اس قرآن پر ایمان ہے جس میں یہ لکھا ہے: ومن اظلم ممن منع
مساجد الله أن یذکر فیہا اسمہ.

میں نے اس کے جواب میں فوراً کہا کہ ہمارا بھی اسی قرآن پر ایمان ہے
جس میں یہ ہے: ومن اظلم ممن افتری علی الله کذباً او قال او حی إلى
ولم یوح إلیہ شیء، یہ سن کر وہ ایسا ساکت ہوا کہ کوئی جواب نہ دے سکا۔
ایک دفعہ بیان فرمایا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح
ابن مریم کی حقیقت معلوم نہیں تھی لہذا یہ حقیقت مجھ پر کھلی، پس میں مسیح ابن
مریم ہوں، میں نے کہا کہ دجال کی حقیقت بھی مرزا صاحب پر کھلی لہذا وہ
دجال ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

قصیدہ معراجیہ

از حضرت خاتم المحدثین مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری
قدس سرہ العزیز

تبارک من أسرى وعلا بعبده

إلى المسجد الأقصى إلى الأفق الأعلى

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد
اقصى تک اور افق اعلیٰ تک سیر کرائی اور بلند مقام تک لے گیا۔

(فتح الباری جلد: ۷ مصری ص: ۱۴۶) وفي حديث

ابن عباس رضي الله عنهما عن أحمد: فلما أتى النبي صلى الله
عليه وسلم المسجد الأقصى قام يصلي، فإذا النبيون أجمعون
يصلون معه.

إلى سبع أطباق إلى سدرة كذا

إلى رفرف أبهى إلى نزلة أخرى

ساتوں آسمانوں تک اور سدرة المنتهی تک، ایسے ہی سیر کرائی
خوبصورت رفرف تک اور نزلة اخری تک۔

وسوى له من حفلة ملكية

ليشهد من آيات نعمة الكبرى

اور فرشتوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی تاکہ آپ مشاہدہ
کریں باری تعالیٰ کی نعمت الکبریٰ کی آیات کا

(زرقانی جلد: ۶ شرح مواہب اللدنیہ مصری ص: ۵)

في حديث أبي سعيد عند البيهقي في ذكر الأنبياء إلى باب
من أبواب السماء الدنيا يقال له: باب الحفلة، وعليه ملك
يقال له: إسماعيل تحت يده اثنا عشر ألف ملك.

وفي حديث جعفر بن محمد عند البيهقي أيضا يسكن

الهواء لم يصعد إلى السماء قط ولم يهبط إلى الأرض قط إلا

يوم مات النبي صلى الله عليه وسلم. وفي حديث أبي سعيد

عند البيهقي في الدلائل وبين يديه سبعون ألف ملك مع كل

ملك جنده مائة ألف، (فتح الباری ج: ۷ ص: ۱۴۵) وفي

رواية لأبي سعيد في شرف المصطفى أنه أتى بالمعراج من

جنة الفردوس وأنه منضد بالؤلؤ وعن يمينه ملائكة وعن

يساره ملائكة.

براق يساوي خطوه مد طرفه

أتيح له واختير في ذلك المسرى

ایسا براق کہ اس کا قدم برابر تھا جہاں پر اس کی نظر جاتی تھی۔ آپ

کیلئے مقدر کیا گیا اور اس سیرگاہ میں پسند کیا گیا۔

وَأَبَدَى لَهُ طَى الزَّمَانِ فَعَاقَهُ

رَوَيْدًا عَنِ الْأَحْوَالِ حَتَّى مَا أَجْرَى

اور زمانے کا چکر آپ کے لئے ظاہر ہوا پس اس کی رفتار کو روک دیا
تھوڑی دیر کے لئے اپنے چکر سے حتیٰ کہ وہ زمانہ نہ چلا۔

وَكَاثَتْ لَجَبْرِيلَ الْأَمِينِ سَفَارَةُ

إِلَى قَابِ قَوْسَيْنِ اسْتَوَى ثُمَّ مَا أَقْصَى

اور حضرت جبریل سفیر تھے قَاب قَوْسَيْنِ تک ٹھہر گئے پھر انتہا تک
نہیں گئے۔

بخاری شریف (جلد ثانی ص: ۱۱۲۰) : ثُمَّ عَلَا بِهِ

فَوْقَ ذَلِكَ بِمَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ حَتَّى جَاءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى وَدَنَا

الْجِبَارُ رَبَّ الْعِزَّةِ فَتَدَلَّى حَتَّى كَانَ مِنْهُ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى،

فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ فِيمَا يَوْحَى اللَّهُ خَمْسِينَ، أَى صَلَاةٍ، عَلَى

أَمْتِكَ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، ثُمَّ هَبَطَ حَتَّى بَلَغَ مُوسَى فَاحْتَسِبَهُ

مُوسَى فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، مَاذَا عَهْدَ إِلَيْكَ رَبِّكَ؟ قَالَ: عَهْدُ

إِلَى خَمْسِينَ صَلَاةٍ.

إِذَا خَلَفَ السَّبْعَ الطَّبَاقَ وَرَائَهُ

وَصَادَ فَهِنَّ أُولَى لِرَتَبَتِهِ الْمَوْلَى

جب ساتوں آسمانوں کو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا

اور آپ نے پالیا جو کچھ آپ کے رتبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ

اور ہزار ہا پیغمبر تھے، سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے قبیع تھے انہیں کی
شریعت کے قبیع تھے، و آتینا عیسیٰ بن مریم۔ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ
السلام کو معجزات ظاہرہ باہرہ دیئے کہ مادر زاد اندھے کو اچھا کرتے تھے اور
کوڑھی کو چنگا کرتے تھے مردے کو زندہ کرنا عطا فرمایا۔ یہ سب کچھ بحکم
خداوندی ہوتا تھا، جو کچھ صبح شام کھا کر آتے تھے جو گھروں میں چھپاتے تھے
سب معجزانہ طور پر آپ بتلا دیتے تھے، آپ کو بلا باپ پیدا فرمادیا۔ آسمان پر
معجزانہ طور پر تشریف لے گئے اس زمانہ کی سائنس اور طب مقابلہ نہ کر سکی نہ
اب ہی سائنس یہاں تک ترقی کر سکی ہے، لیکن سائنس والے بھی اس کے
امکان کے قائل ہو گئے۔

وَقَدْ قِيلَ أَنَّ الْمَعْجَزَاتِ تَقْدُمُ

بِمَا يَرْتَقَى فِيهِ الْخَلِيقَةُ فِي الْمَدَى

آپ کا نام ہی روح رکھا روح کی سبک سیر (سربلج رفتار کا کس نے

اندازہ لگایا ہے روح نام ہے یا تو جبرئیل علیہ السلام کا کہ ہر وقت ساتھ رہتے

تھے یا اسم اعظم کے اثر سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور ممکن ہے کہ اس اسم

مبارک ہی کہ تاثیر ہو کہ آسمان کو اڑ کر تشریف لے گئے فرمایا گیا اور روح منہ

”شہادۃ المقرآن“، ”عقیدۃ الاسلام“ اور ”تحفۃ الاسلام“، ”سیفِ چشتیائی“،

بڑی عمدہ کتابیں اس میں تصنیف ہوئی ہیں، فجزاهم اللہ خیرا الجزاء۔

ایثووع اصل ہے عیسیٰ کی، اس کے معنی ہیں مبارک، اور مریم بھی

عبرانی لفظ ہے اس کے معنی ہے اس کے معنی ہے خادمہ یا عابدہ۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سینے میں روح القدس پھونک مارتا ہے ان نفسا لن تموت حتی تستكمل رزقها۔ کہ کوئی جان دار نہیں مرتا جب تک اپنا رزق پورا نہیں کر لیتا، اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی روح القدس تائید کرتے تھے۔

ففسریقا کذبتم و فرفریقا تقتلون، مثلاً ذکر یا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت شعبا، علیہ السلام اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کئی بار حملہ قاتلانہ کیا زہر دیا پگلی کا پاٹ اوپر سے پھینک دیا، اس زہر کا اثر وفات میں ظاہر ہوا، چنانچہ ”الشہادتین“ میں تفصیل سے مذکور ہے۔
یعنی اسے متعصب ہیں کہ اچھی بات سنتے ہی نہیں، تصلب حق کے معنی یہ ہیں کہ دین حق کو قوت سے پکڑے اور کسی کے فریب میں نہ آجائے، اور ادھر توجہ بھی نہ کرے یہ بات تمام دینوں میں مطلوب ہے۔

☆..... فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے کسی صاحب نے انگریزی پڑھی تھی، میرے استاد نے کہا تھا کہ تو نے چھ مہینے میں اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئی دوسرا کئی سال میں پڑھے۔ ایک گریجویٹ کے برابر تو حضرت نے انگریزی پڑھی تھی، آج کل کے بی اے۔ ایم اے سے زیادہ انگریزی کے واقف تھے مگر اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

ایک دفعہ ڈابھیل ضلع سورت سے برہان پور جو کہ وطن تھا حضرت علی

متقی کا جو صاحب کنز العمال وغیرہ ہیں تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کا سن کر بہت سی مستورات آئیں تو حضرت نے خادم سے فرمایا کہ صحن کا دروازہ بند کر دو کسی عورت کو مت آنے دو اور خود حسبنا اللہ پڑھتے رہے۔

☆..... احقر محمد لاکل پوری عرض کرتا ہے کہ ۱۹۵۱ء میں جب والد صاحب کا انتقال ہوا تو میں وہاں گیا جس مکان میں میں ٹھہرا تھا اس مکان کے قریب مسجد تھی، وہاں حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کامل پوری اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری تشریف لائے، غالباً حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی بھی تھے باتیں ہو رہی تھیں، مولانا محمد یوسف صاحب نے سنایا کہ مولانا ابوالوفاء افغانی فرماتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب حیدر آباد دکن تشریف لائے تو میں نے بھی گزارش کی کہ میری دعوت قبول فرمائیں، حضرت نے قبول فرمالیا، دوسرے دن ایک مجمع کے ساتھ میرے مکان پر تشریف لائے ہم نے کھانا تو فقط بیس آدمیوں کا بنایا تھا وہاں کھانے پر جمع ہو گئے اسی (۸۰) سے بھی زائد آدمی، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اللہ تو کل آپ کھانا لے آؤ اللہ تعالیٰ برکت فرمائیں گے، واقعی یہ حضرت شاہ صاحب کی کرامت تھی کہ کھانا اسی سے زائد آدمی کھا گئے پھر بھی کھانا بچ رہا۔ خود حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ حیدر آباد دکن میں میری سترہ تقریریں ہوئیں اور بہت سے مرزائی تائب ہوئے اور بہت سے لوگوں کے شبہات دور ہوئے۔

☆..... ایک دفعہ بہاول پور سے واپسی پر میرے عرض کرنے پر بہت طویل تقریر وحی کے اقسام پر فرمائی تھی جس کو ہم نے دارالعلوم میں شائع بھی کیا تھا۔

بعض روایات کے الفاظ سے ظاہر بین حضرات شبہات میں پڑ جاتے ہیں کہ ثم استيفظت الفاظ آتے ہیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے: أتى بالمنذر بن أبي أسيد إلى النبي صلى الله عليه وسلم حين ولد، فوضع على فخذه وأبو أسيد جالس، فلهي النبي صلى الله عليه وسلم بشي' بين يديه فأخذ أبو أسيد ابنه فاحتمل من فخذ النبي صلى الله عليه وسلم، فاستفاق النبي صلى الله عليه وسلم فقال: أين الصبي؟ تو اس روایت میں استفاق کا یہ مطلب نہیں کہ غشی سے ہوش میں آ گئے بلکہ اسی پہلی حالت کی طرف عود فرمایا، فاستفاق ای فرغ من اشتغاله۔

☆..... فصل الخطاب طبع ہونے کے بعد ۱۳۳۸ھ کی دورے کی ساری جماعت کو بلایا اور سب کو ایک ایک نسخہ اپنے دست مبارک سے عنایت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کاتب کے کچھ اغلاط رہ گئے ہیں جن کی تصحیح نہیں ہو سکی۔

☆..... حضرت شاہ صاحب کے درس میں بیٹھنے کے بعد طبیعت

کہیں نہیں جمتی خواہ کتنا ہی علامہ کیوں نہ ہو۔ کچھ ایسی برکات انوارات مجلس کی ہوتی تھیں کہ وقت محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جس بات کا حوالہ دیتے کتاب کھول کر حسنا اللہ پڑھ کر فوراً انگلی اسی جگہ پر رکھتے تھے جہاں سے عبارات پڑھنا مقصود ہوتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا کہ ایک دو ورق الٹ پلٹ کرنے پڑتے تھے ورنہ وہی صفحہ نکلتا تھا حوالہ پڑھ کر سناتے کبھی کتاب کا حوالہ محض نام لے کر نہیں دیا، بلکہ عبارت پڑھ کر سناتے، لکھنے والے صفحہ دیکھ کر لکھ لیتے تھے یہ جو حوالہ نکالنے میں تخلف ہوتا ہے تقطیع جدا جدا ہونے کے باعث سے یا مطابع کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ ورنہ حضرت شاہ صاحب کے ہاں کتاب دیکھ کر حوالہ پڑھ کر آگے چلتے تھے۔ بعض دفعہ جس کتاب میں سے حضرت پڑھتے تھے مصر یا لندن کا مطبوعہ ہوتی تھی۔ ہندوستان کی مطبوعات کے صفحات میں فرق ہوتا ہے علماء گھبرا جاتے ہیں کہ حوالہ نہیں ملتا، محنت کرنے سے کیا نہیں انسان کو ملتا۔

☆..... حضرت خواجہ محمد معصوم اپنے مکتوبات شریفہ میں فرماتے ہیں ﴿من يرد الله أن يهديه يشرح صدره للإسلام، ومن يرد أن يضلّه يجعل صدره ضيقاً حرجاً كأنما يصعد في السماء﴾. ”صراط مستقیم“ کے ترجمہ میں اس آیت مبارکہ کو پیش فرماتے تھے، پس ہم نے جو شرح صدر دینی مسائل میں حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کسی کو نہیں پایا، ہر مسئلہ میں بڑے ہی بسط کے ساتھ اور شرح صدر کے ساتھ چلتے

تھے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

☆..... ایک دفعہ مالیر کوئٹہ میں تشریف لائے مولانا عبد الغنی صاحب جو مالیر کوئٹہ میں رہتے تھے وہ خود جا کر حضرت شاہ صاحب کو لائے، بندہ بھی رائے کوٹ سے مالیر کوئٹہ میں حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو مجھے تنہائی میں ایک بات کہی کہ یہ بات مولانا محمد رمضان صاحب مرحوم سے لہر حیانہ جا کر کہہ دینا میں نے اسی پر عمل کیا، بہت سی راز کی باتیں احقر کو کان میں فرما دیتے تھے۔

مالیر کوئٹہ کے اسی سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے بعد عشاء ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی بہت مجمع علماء کا تھا، اس میں مولانا شبیر احمد صاحب مولانا بدر عالم صاحب اور بہت سے علماء موجود تھے فرمایا کہ یہ جو آپ حضرات نے بجلی ہی بجلی کی روشنی کر رکھی ہے اتنی کی ضرورت نہیں فقط اتنا چاندنا چاہیے کہ جس سے آدمی کتاب پڑھ سکے۔ باقی تو اسراف ہے، (غالبا یہی الفاظ تھے)۔

☆..... ایک دفعہ وہیں بہاول پور ہی میں میرے دریافت کرنے پر کہ لاہور میں ۱۹۲۸ء میں دسمبر کے مہینے میں السنہ شرقیہ کا جلسہ ہوا پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت اس کی صدارت ڈاکٹر اقبال مرحوم کر رہے تھے، ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبے میں پڑھا کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے

مجھ علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ دیا جس میں یہ تحقیق کیا تھا کہ علامہ عراقی نے زمان اور مکان کی تحقیق فرمائی ہے، میں نے پوچھا یہ کون عراقی ہیں تو فرمایا یہی جو محدث مشہور ہیں ان کی کتاب کا نام ہے ”غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان“ یہ علامہ عراقی بڑے محقق گذرے ہیں۔ پھر وہ رسالہ ایک مدت کے بعد میں نے ڈاکٹر سے واپس طلب کیا، تو ڈاکٹر نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے کھو گیا، پھر ہم نے مطالبہ نہیں کیا کہ ایک مسلمان کے بیان کو جھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے۔

فائدہ:

نیوٹن نے بھی اس نام کا ایک رسالہ لکھا ہے جو یورپ میں مشہور تھا کہ نیوٹن ہی اس امر کی تحقیق کرنے والا ہے ڈاکٹر مرحوم نے جب مضامین یورپ کے اخبارات میں دئے تو شور ہو گیا کہ نیوٹن نے تو علامہ عراقی سے لے کر یہ تحقیق لکھی ہے اس کی اپنی تحقیق نہیں ہے بلکہ عراقی اس سے چھ سو سال پہلے تحقیق کر چکے ہیں۔

☆..... ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حافظ شیرازی کی غزلیں تو ایسی ہیں کہ اس میں شراب کباب کا ذکر ہے، تو پھر حافظ شیرازی کو عارف کیوں کہتے ہیں، فرمایا کہ حافظ شیرازی نے کشاف کا حاشیہ لکھا ہے میں نے سورہ کہف تک دیکھا ہے بہت اعلیٰ حاشیہ ہے وہ طبع نہیں ہوا۔ حافظ کی غزلیں بہت بلند پایہ ہیں ہر شخص ان کو سمجھنے کا اہل نہیں ہے، باری تعالیٰ آوارہ

لوگوں سے ایسے بلند کام نہیں لیتا، جب انہوں نے تفسیر کشاف کا حاشیہ لکھا ہے تو بے ادبی کے الفاظ نہیں کہنے چاہئے آپ تو بہ کرو استغفار کرو۔ جب مولانا حسین علی صاحب واں پھر اس ضلع میانوالی اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کا باہمی تنازع طویل اور پیچیدہ ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب کو دیوبند سے دعوت دی گئی، یہ جنوری ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے میانوالی کے اسٹیشن پر انسانوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا، زائرین ایک دوسرے پر گرتے پڑتے تھے، اتنے بڑے مجمع کا نظم قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا، جلسہ گاہ میں پہنچے ایک ہندو نے اپنے کوٹھے کی چھت پر سے حضرت کو دیکھ لیا، فوراً کود کر زمین پر آیا مجمع کو چیرتا ہوا آیا، اور حضرت کے پاؤں میں گر پڑا کہ یہ بزرگ مسلمانوں کے پیغمبر کا نمونہ ہیں یہ کہا اور ایمان لے آیا، ایسے واقعات حضرت کی حیات مبارکہ میں کثیر ہیں۔

یہ واقعہ حضرت مفتی محمد شفیع سرگودھے والوں نے بھی جب کہ لاکپور آپ تشریف لائے تھے احقر سے ملنے کے لئے تو انہوں نے بھی سایا تھا۔ یہ حضرت مفتی صاحب خلیفہ تھے حضرت مولانا احمد خان صاحب کنڈیاں والوں کے یہ اس واقعہ میں خود موجود تھے۔ جب مفتی صاحب مجھے سنا رہے تھے تو اس وقت بہت سے آدمی ان کے ساتھ تھے، منجملہ ان کے حاجی قائم الدین لاکپوری بھی تھے۔

☆..... جب حضرت مولانا محمد صاحب موٹگیری (بہار) نے

قادیانیوں کے خلاف ایک بڑا اجتماع کیا اور تمام حضرات دیوبند تشریف لے گئے، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب فرماتے ہیں کہ اس اجتماع میں حضرت شاہ صاحب مولانا محمد انور صاحب بھی تشریف لے گئے تھے جب سب حضرات اسٹیج پر بیٹھے تھے تو ایک برہمن جو خود بھی بہت بڑا دودان تھا حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر مجمع کو چیرتا ہوا حضرت شاہ صاحب کے پاؤں کو کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بہت بڑے دودان ہیں، حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں تو ایک طالب علم ہوں، پھر اس برہمن کو حضرت شاہ صاحب سے عشق ہو گیا وہ تمام جلسے میں ساتھ ہی رہا ہم بھی حیران تھے کہ اس کو کیوں اتنا تعلق ہے یہ واقعہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے بہاول پور کے مقدمے کے اجتماع پر بھی سنایا تھا۔

☆..... مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کے امداد کے سلسلے میں رنگون تشریف لے گئے وہاں کے اہل خیر نے مدرسہ کی خوب امداد فرمائی، اور حضرت کے مواعظ حسنة سے مستفیض ہوئے۔ واپس ڈابھیل تشریف لا کر تمام مدرسین کی دعوت کی، پر تکلف کھانا کھلایا اور ہر مدرس کو ایک ایک رو مال رنگونی اور دس دس روپے عنایت فرمائے، مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع سورت جب تنخواہ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا اہل رنگون نے احقر کی بہت خدمت کر دی تھی یہ تنخواہ آپ واپس لے جائیں۔

☆..... حضرت مولانا احمد سعید صاحب مرحوم دہلی سے بعض دفعہ علمی اشکالات دریافت کرنے دیوبند حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جواب دینے کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے۔

☆..... مولانا خیر محمد صاحب مولانا خیر الدین سرسوی مرحوم مولانا غوث محمد صاحب مولانا عبدالجبار صاحب مولانا محمد صدیق صاحب وغیرہم یہ سب حضرات احقر سے مالیر کونلہ میں کہنے لگے کہ حضرت شاہ صاحب کا صبح کو فجر کی نماز کے بعد درس کرادے تو عرض کر سلیک غطفانی کا واقعہ سنتیں جمعہ کی ادا کرنے کا، جس حدیث میں واقعہ مذکور ہے اس حدیث کے متعلق تحقیق کرانا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ حضرات علماء چاہتے ہیں کہ حضرت کا درس سنیں، فرمایا بہت اچھا لیکن میں حدیث باب کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دوں گا، اور خود ہی حلاوت کروں گا کہ ہمارے مشائخ کا یہی معمول رہا ہے، چنانچہ سینکڑوں علماء جمع ہو گئے مولانا مفتی خلیل صاحب بھی بیٹھے تھے مولانا عبدالغنی صاحب بخاری شریف لائے کہ میں بھی حضرت کا تلمیذ بننا چاہتا ہوں، حضرت نے ان کو بخاری شریف شروع کرادی، اور درس حدیث دیا، علماء حیران تھے علوم کے دریا بہہ رہے تھے ایک سکتہ کا عالم تھا پھر سلیک غطفانی کا واقعہ بھی ذکر فرمادیا کہ علماء کی تسلی ہوگئی۔ مولانا عبدالجبار مرحوم فرماتے تھے کہ امام بخاری ایسا درس دیتے ہوں گے، مولانا خیر محمد

صاحب فرمانے لگے کہ علم تو حضرت شاہ صاحب کے سینے سے اچھل اچھل کر باہر آتا ہے افسوس کہ ہم تو دیوبند جانہ سکے دور ہی سے چھینٹے پڑے حضرت کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا، مولانا خیر الدین مرحوم حضرت کو سنار ہے تھے کہ جب آپ مدرسہ امینیہ میں تھے تو میری ابتداء تھی اور حضرت دہلی سے کشمیر جا رہے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والنجم إذا هوی۔ سمایات سے شروع کیا، اس لئے کہ مابعد کا کلام آسمانی کی خبر اور اسرار کے متعلق ہے، سمایات العلیٰ تک بلکہ سدرۃ المنتہیٰ تک یہاں تک کہ فرمایا ان هو إلا وحی یوحی، یہ خلاصہ ہے ان آیات کا اور یوحی بکسر الجاء کو بہم رکھا کیوں کہ اس کا انحصار اللہ تعالیٰ ہی میں ہے، اور وحی رسالت ہی میں ہے اور ذکر کرنا ان اوصاف کا جو کسی موصوف میں ہی منحصر ہوتے ہیں اس موصوف کا نام لینے زیادہ ابلغ ہوتا ہے، مثلاً قول ان کا صمدت باکرم القوم۔ پھر فرمایا علمہ شدید القوی، پس منتقل ہوئے معلم کی طرف موحی کے ذکر کے بعد اور ان کو دو شمار کیا، موحی اور معلم، پھر اوصاف وہ ذکر کئے جو معلم ہی کے ہو سکتے ہیں، کیوں کہ کلام مکہ والوں کے ساتھ ہے اور مکہ والے جبرئیل علیہ السلام کو پہچانتے نہ تھے۔ پس اس کی صفات اور فعل ذکر فرمائے جیسے سورت نکویر میں ہے تو یہ تعدیل ہوئی وحی کی سند کی، کیونکہ جب کہا جائے کہ یأتیہ الملک توحی میں کھٹکتا ہے کہ آنے

کی کیا صورت ہے؟ لہذا فرمایا کہ وہ قادر ہے اس پر اور وہ ”سوچی“ مبارک ہے ”ذو مِرَّة“ ہے اس جیسے سے خیر ہی کا ایسا ہے اور وہ نزدیک ہوتا ہے اور وہ لٹک آتا ہے، لہذا اس کے اوصاف ذکر فرمادیئے۔

ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ذومِرَّة یعنی جمیل النظر حسن الصورة ہے، جلالت شان والا ہے، فتح صورت والا شیطان نہیں ہے بلکہ وہ اجمل الخلق ہے اور ذی امانت اور مکانت والا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی وحی نبوت کی تعدیل اور اس کا تزکیہ ہے جیسے اس کی نظیر سورۃ تکویر میں ہے بیان فرمایا کہ وہ علم قدرت والا جمال النظر ہے یہ اوصاف رسول مکی اور بشری دونوں کے ہیں۔

قولہ: فتدلی۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اپنے مکان سے تجاویز نہیں کیا یہاں تعلق بھی قائم رہا جیسے پھل کی تدلی ہوتی ہے کہ تعلق بھی باقی رہتا ہے اور نیچے بھی لٹک آتا ہے جیسے نور عظیم منبسط فی الجو ہوتا ہے کہ چھوٹے سوراخ سے داخل ہو جائے اس کو ناظریوں سمجھتا ہے کہ اس کا تعلق اوپر ہے منفصل نہیں ہوا گویا یہ تمثیل اس کی ہوئی جو جبریل امین کی بشری شکل میں نمودار ہونے کی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا جیسا کہ پہلی نے ذکر کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف چڑھے فاعوحی الی عبدہ ما اوحی تو جب حضرت جبریل علیہ السلام کو دنور پ محسوس ہوا تو آپ سجدے میں گرے پس سبحان رب الجبروت والملكوت والعظمة کہتے ہی رہے، حتیٰ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو وحی

کرنا تھا وہ کر لیا، پھر جبریل علیہ السلام نے سراٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنی اسی خلقت میں ظاہر ہوئے جیسا کہ ان کو پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے پر ملائے ہوئے ہیں، (یا قوت اور زبرد اور لولو کے) میں نے خیال کیا کہ جبریل کی دو آنکھوں کے درمیان کے فاصلے نے دونوں آفاق کو گھیر لیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے میں ان کو مختلف صورتوں میں دیکھتا تھا، اور اکثر دجیہ بن خلیفہ کلبی کی شکل میں دیکھا کرتا تھا، اور بعض اوقات ایسے جیسے کوئی کسی کو چھلنی میں سے دیکھے۔

قولہ: فاعوحی الی عبدہ ما اوحی، اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے، تفسیر طبری میں ہے فاعوحی اللہ الی ما اوحی اس کے قریب قریب مسلم شریف میں ہے، اور یہ کوئی انتشار فی الضمائر نہیں کیوں کہ یہ وصف اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے، اور رسول تو موجی ہو نہیں سکتا، بلکہ مرسل ہی موجی ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا او یمرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء یہاں بھی متعاطفات نہیں بلکہ ایک سلسلہ مرتب ہے بعض بعض سے ملا ہوا ہے جس کی انتہا الی اللہ ہے، یہ خلاصہ ہے مضمون کا جیسا کہ ان ہو اوحی یوحی میں استیناف ہوا باعادة ما استوفی عنہ چنانچہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین أنعمت علیہم میں۔

پھر فرمایا ما کذب الفؤاد ما رأى، اس کو ما قبل سے جدا کر دیا اور عطف نہیں ڈالا کیوں کہ یہ شامل ہے رؤیت باری تعالیٰ کو فؤاد سے اور رؤیت جبریل کو علی صورت یہ دونوں قبل الاسرا حاصل تھے۔ اور یہ شامل ہے

ان تمام اشیاء کو جو لیلة الاسراء میں دیکھیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں لقد رای من آیاتہ ربہ الکبریٰ اور بنی اسرائیل میں فرمایا لنریہ من آیتنا وہاں یہ بھی فرمایا وما جعلنا الرؤیا التي أريناك إلا فتنة للناس سو فتنہ مماراة ہی کا نام ہے جیسے سورہ نجم میں فرمایا أفتمارونہ علی ما یری، پس قولہ ما کذب الفواد مارای ای ما کذب الفواد عبدنا مارای ای هذا العبد یا تو فواد سے یا آنکھوں سے، اور کذب متعدی ہے دو مفعولوں کی طرف جیسے ان کا قول صدقت فلانا الحدیث و کذبته احتمال ایک مفعول پر مختصر ہونے کا بھی ہے یعنی ما قال کذبا ای هذه المقولة، بل قال ما وقع بعد عيانا فی الاسراء بالنسبة الی رؤية الله تعالى۔

اور یہاں پر رویت فواد کا ہونا اور ما بعد میں رویت بصرہ کا ہونا یہ کوئی نظم قرآنی میں انفکاک کا باعث نہیں بلکہ رویت امر واحد ہے اور فرق جو آتا ہے وہ فاعل کی جانب سے آتا ہے، آثار صحیحہ اور احادیث صحیحہ سے دونوں رویتیں ثابت ہیں، رویت اللہ تعالیٰ کی پہلی فواد سے اور ثانی بصر سے جیسے حدیث بعثت میں ہے کہ واقعہ ہونے سے قبل اس کا رویا میں دکھادیا جانا آتا ہے۔

پھر فرمایا افتمارونہ علی ما یری، اور نہ کہا فیما یری اس نے دلالت کی کہ یہاں اور رویت بھی ہے اس کو پہلی نے ذکر فرمایا، اور علی ما یری فرمایا نہ فرمایا فیما یری کیونکہ ان کو نفس رویت باری تعالیٰ میں جھگڑا تھا نہ کہ خصوصاً مرئی میں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا۔ ایک دفعہ آنکھ سے دوسری مرتبہ فواد سے، رواہ طبرانی فی الاوسط، رجالہ رجال الصحیح۔ مسند داری میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر فرمایا پھر جبریل نے فرمایا قلب و کعب له اذانان سمیعتان وعینان بصیرتان۔ و کعب یعنی متین شدید یعنی مضبوط۔

پھر فرمایا ولقد رآہ نزلة أخرى یہ بھی دونوں رویتوں کو شامل ہے لیکن رویت جبریل یہ تو ظاہر ہی ہے لیکن باری تعالیٰ کی رویت سواس کے قرب کے باعث ہوئی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے یطلع الله علی اهل الجنة فيقول هل رضيتم؟ عند سدرۃ المنتهی اس کا تعلق رائی سے ہے نہ کہ مرئی سے جیسا طبری نے فرمایا۔ جیسے رأیت الهلال من المسجد۔

قوله: اذ یغشی السدرۃ ما یغشی یعنی انوار و تجلیات۔ نسائی شریف میں ہے ثم أتیت سدرۃ المنتهی فغشینی صباۃ فخرت له ساجدا، اور یہی ظلل من الغمام ہے۔ پھر فرمایا ما زاغ البصر وما طغی، اس میں تصریح فرمائی کہ یقظہ میں ہوا، پھر خلاصہ بیان فرمایا: لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔ یہ بھی عام ہے جو کچھ وہاں دیکھا سب کو شامل ہے، حدیث ابی ذر میں ہے رأیت نورا اور نورانی آراہ اس کے معنی ایک ہی ہیں ای ہو نور من این رايتہ۔ اور مروزی نے بھی امام احمد سے پوچھا تو حدیث مرفوع ہی جواب میں کہی۔ رأیت ربی پھر مسند کی

حدیث میں ہے راایت ربی عز وجل اس کی سند قوی ہے۔

☆..... ایک مولانا شریف اللہ صاحب کابل کے تھے حضرت رائے پوری شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے تھے کہ وہ مقبولین میں سے تھے، انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے وہ اکیلے نماز پڑھتے تھے ننگے بدن رہتے تھے، فقط نہ بند رکھتے تھے، دارالحدیث دیوبند کی بنیادیں جب بھری جا رہی تھیں وہ اس میں بھی شامل تھے، پھر شیخ الہند اپنے پاس لے آئے، دیوبند کے بڑے جلسے میں بھی موجود تھے، جو ۱۳۳۰ھ میں ہوا۔ وہ رائے پور بھی آتے تھے اور اکثر دیوبند رہتے تھے، حضرت شاہ صاحب سے اس بات میں گفتگو کی کہ مسجد میں صفیں بچھانا یہ ثابت ہے یا نہیں، مولانا شریف اللہ صاحب اس کو بدعت فرماتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے حدیثیں پیش کیں تو خاموش ہو گئے، حضرت شاہ صاحب نے منع فرمادیا تھا کہ کوئی ان سے نہ الجھے۔ فرمایا یہ صاحب حال ہیں ان کو مت چھیڑو۔

وہ فرماتے تھے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه یعنی جس آدمی نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے بڑھ کر کوئی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔ اس لئے وہ حضرت کے بڑے گرویدہ تھے، ہمارے زمانے میں بھی دیوبند تشریف لائے تھے، جب حضرت شیخ الہند مالٹا سے واپس دیوبند تشریف لائے تھے۔

قرآن عزیز اس کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں:

بے آہ سحر گاہی تقویم خودی مشکل

یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کنار جو

لالہ پیکانی کہا آنکھوں کو جیسا گل لالہ میں سیاہ داغ ہوتا ہے، ایسی ہی آنکھوں میں سیاہی ہوتی ہے پیکاں سے مراد پلکیں۔ خوشتر ہے کنارے جو سے مراد رونا ہے یعنی آنکھ میں کمال یہ ہے کہ روتی ہی رہے خودی سے مراد خود آگاہی ہے۔ فرماتے ہیں:

جب عشق سکھاتا ہے آداب خدا گاہی

کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

یعنی جب خدا تعالیٰ سے محبت اور عشق ہو جاتا ہے تو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے جیسے دوسری جگہ فرماتے ہیں

شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں

جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں

جس کا ساز دل شکست غم سے ہے نام آشنا

جو سدا مست شراب عیش و عشرت ہی رہا

کلفت غم گر چہ اس کے روز و شب سے دور ہے

زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے

قرآن شریف میں آتا ہے قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی

یحببکم اللہ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں روتے تھے، اکثر آنسو ہی بہاتے تھے۔

ایک دفعہ لاہور میں آسٹریلیا مسجد میں وعظ فجر کی نماز کے بعد فرمایا تو امیر خسرو کے یہ اشعار پڑھے۔

جان ز تن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز
قیمت خود ہر دو عالم گفتم
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تو بہت ہی رقت ہوئی حتیٰ کہ ریش مبارک تر ہو گئی، فرمایا کہ یہ شعر امیر خسرو کے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شعر جب آپ کو غسل دیا جا رہا تھا اس وقت کہے۔ اس واسطے آپ میں بے نفسی بے حد تھی، کسی کو بھی مدۃ العمر اپنا شاگرد نہیں فرمایا بس رفیق فرماتے تھے، نہ مدۃ العمر کسی کی غیبت کی نہ غیبت سنی والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس پر صحیح طور پر عامل تھے۔

☆..... حضرت شاہ صاحب کبھی پاؤں کھول کر نہیں سوئے بلکہ سکر کر سوتے تھے جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی فرمایا کرتے تھے کہ بھلا کوئی محبوب کے سامنے اس طرح پاؤں پہا کر بے ادبی کر سکتا ہے۔

حضرت عارف باللہ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کابلی فرماتے ہیں کہ ایک تو تعلق با اسماء اللہ ہوتا ہے، ایک اسماء اللہ کا تحقق، ایک اسماء اللہ کے ساتھ تخلق، یہ جو آخری ہے یہ بڑا اونچا درجہ ہے۔

ف:- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ آنحضور کے اخلاق مبارکہ بیان فرمائیے تو آپ نے فرمایا کان خلقہ القرآن اسی سے وفور علم حضرت صدیقہ کا معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک جملہ میں سارا تصور سمو دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ عملی قرآن پاک تھے، یعنی یہ جو قرآن شریف ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ تو علمی قرآن ہے اور آنحضرت ﷺ عملی قرآن پاک تھے، اسی واسطے حدیث شریف میں آتا ہے تخلقوا باخلاق اللہ۔

حضرت شاہ صاحب محض مدرس حدیث کے نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کے ساتھ تعلق بھی تھا حدیث کا تحقق بھی آپ میں تھا اور آپ کو حدیث کے ساتھ تخلق بھی نصیب تھا یہ بہت بڑی بات ہے، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

☆..... ایک دفعہ غالباً ۱۹۵۴ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب ملتان سے لائل پور تشریف لائے، ایک مکان پر ان کی دعوت چائے تھے احقر بھی مدعو تھا احقر بھی حاضر ہوا، ملاقات پر حضرت شاہ صاحب کی باتیں ہونے لگیں میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب

فرماتے ہیں

قبوہ حمد را نسرود انور
دار چینی ز نعت پیغمبر

یہ شعر سنتے ہی مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب پھڑک گئے کہ اس سے
معلوم ہوا کہ حمد خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعت رسول نہ کہی جائے۔

تمت بالخیر

والحمد لله أولا وآخرا، وصلى الله تعالى على خير خلقه
محمد وآله وأصحابه وأهل بيته أجمعين.

محمد عفا اللہ انوری قادری لاکپوری

۹ رذوالحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۶۸ء